عبادات میں رخصت و تخفیف کے پہلو

(فقہی جائزہ)

مقالہ نگار

ہاجرہ شفیق

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

جنوری ۲۰۲۲ء

عبادات میں رخصت و تخفیف کے پہلو

(فقہی جائزہ)

مقالہ نگار

ہاجرہ شفیق

بی ایس، فاطمہ جناح یونیورسٹی، راولپنڈی، ۲۰۱۷ء

یہ مقالہ ایم فل علومِ اسلامیہ کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا ہے

ایم۔فل علومِ اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

©ہاجرہ شفیق، ۲۰۲۲ء

بسم الله الرحمن الرحيم

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد　　　فیکلٹی آف سوشل سائنسز

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: عبادات میں رخصت وتخفیف کے پہلو (فقہی جائزہ)

Aspects of convenience and concession in worship

(Jurisprudential Review)

نام مقالہ نگار: ہاجرہ شفیق　　　رجسٹریشن نمبر: 1684- M.Phil./IS/S19

نام ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری　　　______________________

(نگران مقالہ)　　　نگران مقالہ کے دستخط

ڈاکٹر نور حیات خان　　　______________________

(صدرِ شعبہ)　　　صدرِ شعبہ کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی　　　______________________

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)　　　ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر عوان　　　______________________

(پرو- ریکٹر اکیڈمکس)　　　پرو-ریکٹر اکیڈمکس کے دستخط

____

تاریخ

حلف نامہ فارم

(CANDIDATE DECLARATION FORM)

میں ہاجرہ شفیق   ولد۔ شفیق احمد   رول نمبر: MP-S19-504

رجسٹریشن نمبر: 1684-MPhil/IS/S19

طالب علم، ایم فل علومِ اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً قرار کرتی ہوں کہ مقالہ

بعنوان :   **عبادات میں رخصت و تخفیف کے پہلو** (فقہی جائزہ)

<u>Aspects of convenience and concession in worship</u>

(jurisprudential review)

ایم فل علومِ اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے، اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: ہاجرہ شفیق

دستخط مقالہ نگار: ____________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

ABSTRACT

Title: Aspects of Convenience and Concession in Worship (Jurisprudential Review)

The objective of the present research is to show that the Islamic law or shariah is elastic and tolerant .It cares for people's condition easy and hard .Since in my view time is full of hardships and newly ideas, experienced issues that the need to know about religious concessions, convenience its types and how to use them in presently. According to Islam, all the rules of halal and ḥaram are clear and apposite to the nature because the maker of these rules knows each and every thing of soul needs. Therefore acting upon the teaching of Islam is so easy and in practical point of view for human being. It is not work of everyone but it is accountability of scholars and jurists to clear their rules and their limits which is prescribed in Islam. This dissertation is divided into four chapters. Chapter 1st: The meaning and importance of convenience and concession and the objectives of Shariah. Chapter 2nd: Reasons and conditions for relaxation and reduction in purification and prayers, chapter 3rd: Reasons and conditions for reduction and reduction in fasting and zakat, chapter 4th: Reasons and forms of convenience and concession in Hajj and Wisdom. The research study is based on the concept of religious concession and what is its needs in presently, the objective of shariah also define the it's importance in the life of human being.

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱.	مقالہ کی منظوری کا فارم (Thesis Acceptance Form)	i
۲.	حلف نامہ (Declaration)	ii
۳.	ملخص مقالہ (Abstract)	vi
۴.	فہرست عنوان(Table o content)	vii
۵.	اظہار تشکر (Acknowledgement or A word of thanks)	ix
۶.	انتساب (Dedication)	x
۷.	مقدمہ	xi
۸.	**باب اول: رخصت و تخفیف کا مفہوم و اہمیت اور مقاصد شریعہ**	۱
۹.	فصل اول: رخصت و تخفیف کا مفہوم و اہمیت	۲
۱۰.	فصل ثانی: رخصت کی اقسام اور اسباب	۱۲
۱۱.	فصل ثالث: عبادات میں رخصت اور مقاصد شریعت	۲۰
۱۲.	**باب دوم: طہارت و صلوٰۃ میں رخصت و تخفیف کے اسباب و صورتیں**	۳۱
۱۳.	فصل اول: طہارت میں رخصت کے اسباب و صورتیں اور حکمتیں	۳۲
۱۴.	فصل ثانی: طہارت میں تخفیف کے اسباب و صورتیں اور حکمتیں	۵۴
۱۵.	فصل ثالث: صلوۃ میں رخصت کے اسباب و صورتیں اور حکمتیں	۶۱
۱۶.	فصل رابع: صلوۃ میں تخفیف کے اسباب و صورتیں	۷۹
۱۷.	**باب سوم: صوم و زکوۃ میں رخصت و تخفیف کے اسباب و صورتیں**	۸۷
۱۸.	فصل اول: صوم میں رخصت کے اسباب و صورتیں اور حکمتیں	۸۸
۱۹.	فصل ثانی: صوم میں تخفیف کی صورتیں اور حکمتیں	۱۰۹
۲۰.	فصل ثالث: زکوۃ میں رخصت کے اسباب اور حکمتیں	۱۱۳
۲۱.	فصل رابع: زکوۃ میں تخفیف کی صورتیں اور حکمتیں	۱۲۵

۲۲.	**باب چہارم: حج میں رخصت و تخفیف کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں**	۱۲۸
۲۴.	فصل اول: حج میں رخصت کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں	۱۲۹
۲۵.	فصل ثانی: حج میں تخفیف کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں	۱۳۹
۲۶.	فصل ثالث: حج میں رخصت و تخفیف اور فقہا کی آراء	۱۴۳
۲۷.	نتائج	۱۴۷
۲۸.	سفارشات	۱۴۸
۲۹.	فہرست آیات کریمہ	۱۴۹
۳۰.	فہرست احادیث مبارکہ	۱۵۰
۳۱.	فہرست مصادر ومراجع	۱۵۱

اظہارِ تشکر

الحمدللہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلاۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ و اھلِ بیتہ وذریتہ اجمعین۔

تمام قسم کی تعریفات، اس اللہ رب العزت کے لیے ہیں، جس نے حضرت انسان کو اشرف المخلوقات پیدا کر کے "**لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم**" کا تاج پہنایا اور انسانیت کی رشد و ہدایت کے لیے مکرم و معظم محتشم و منور، معطر و بابرکت اور باسعادت ہستی محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر پر قرآن مجید اور اس کی مثل نازل کر کے اس دنیائے جہان کے لوگوں کو رہن سہن کے آداب کے ساتھ ساتھ اسلامی، معاشی اور زری اصول بھی سکھائے۔ آپ ﷺ پر درود و سلام ہو جو دونوں جہانوں کے رحمت العالمین ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کے فرمان "**من لم یشکرالناس لم یشکر اللہ**" کا مصداق بننے کے لیے تمام احباب اور دوستوں کے لیے دعا گو ہوں جن کی محبت، خصوصی دعائیں، قیمتی مشورے اور عملی تعاون شامل حال رہا، اللہ تعالی ان سب کو دنیا اور آخرت میں اس کا بہترین بدلہ اور خیر کثیر عطا فرمائے آمین۔

اللہ تعالی کا یہ بھی احسان عظیم رہا کہ اس مقالے کے ابتدائی مرحلے سے لے کر آخری مرحلے تک "ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری، سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ نمل، اسلام آباد" کی خصوصی محبت و شفقت اور توجہ مجھے حاصل رہی انھوں نے انتہائی دیانت داری کے ساتھ ضروری علمی اور فنی مہارت سے میری راہنمائی فرمائی۔ لہذا میں ان کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں اور ان کی ممنون و مشکور ہوں جنہوں نے اپنے انتہائی مصروفیت کے باوجود مجھے اپنی سپرویزن میں رکھا۔ میں ان لیے دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت دنیا و آخرت میں انھیں اجر جزیل عطا فرمائے آمین۔ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز کے شرف اور فضل کا اعتراف نہ کرنا علمی ناقدری کی علامت ہوگی جس مادر علمی کی وجہ سے مجھے ایم فل کا تحقیقی کام کرنے کا موقع ملا اس سلسلے میں شعبہ علومِ اسلامیہ کے اساتذہ کرام خصوصیت کے ساتھ جذبات تشکر کے مستحق ہیں جن میں سرفہرست ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز محترم ڈاکٹر مستفیض احمد علوی صاحب کی میں دل کی گہرائیوں سے ممنون ہوں، نیز شعبہ علوم اسلامیہ کے تمام اساتذہ، لائبریریوں کے عملے، دوستوں کی احسان مند ہوں جنھوں نے اس کاوش کے دوران کسی نہ کسی انداز سے میری مدد کی اور خاص طور پر اپنے محترم والد صاحب جن کی محبت اور دیکھ بھال نے ہمیشہ مشکل لمحات میں میرا حوصلہ بڑھایا۔

آخر میں اللہ کے حضور دعا گو ہوں کہ میری اس ادنیٰ سی کاوش کو قبول فرمائے۔ آمین!

ہاجرہ شفیق

ایم فل علوم اسلامیہ

انتساب

میں اپنی تحقیقی و علمی کاوش اپنے واجب الاحترام والدین کے نام منسوب کرتی ہوں، جن کی بے لوث دعائیں اور تربیت میری زندگی کا سرمایہ ہیں۔ جنہوں نے ہمیشہ مجھے وقت پر اٹھایا اور ہر مہم کے لیے میری حوصلہ افزائی کی۔ ان کی مدد سے میں نے اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا۔ میں اپنے پیارے بابا اور ماما جان کی مشکور ہوں جن کی دعائیں، محبت، شفقت اور حوصلہ افزائی نے مجھے آج تک زندگی میں کسی بھی مشکل کا احساس تک نہ ہونے دیا۔

اللہ تعالیٰ میرے والدین پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ (آمین)

مقدمہ

موضوع کا تعارف (Introduction of the topic)

اسلام دین فطرت ہے اس کا کوئی بھی حکم انسان کی عقل کے لئے مضر ہے اور نہ جسم کے لئے۔ تاہم یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو اس طرح آزاد نہیں چھوڑا کہ صرف اپنی عقل کی بنیاد پر پوری زندگی کے لئے لائحہ عمل طے کرے بلکہ اس مقصد کے لئے وحی کو اولویت دی گئی تاہم اس کے ساتھ عقل کے استعمال کا دروازہ بھی بند نہیں کیا گیا بلکہ قرآن پاک میں جا بجا انسان کو غور وفکر کی دعوت دی گئی تا کہ وہ عقل کو استعمال کر کے وحی کی خوبیوں کو جان لے اور مکمل شرح صدر کے ساتھ اللہ تعالی کے احکامات پر عمل کر سکے۔

شریعت نے احکام شرعیہ میں ان مصالح کو علت کے بعد سب سے مقدم رکھا ہے اور یہ پانچ مصالح ہیں جنھیں مقاصد خمسہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔یہ درج ذیل ہیں:(۱)دین کی حفاظت (۲)انسانی جان کی حفاظت (۳) انسانی عقل کی حفاظت (۴)انسانی نسل کی حفاظت (۵)انسان کے مال کی حفاظت۔

گویا کہ شریعت نے جتنے بھی احکام دیے ہیں، ان سب میں ان پانچ مصلحتوں میں سے کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور موجود ہوگی اور بعض میں دو تین یا سب مصلحتیں بھی موجود ہوسکتی ہیں؛ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا ہو جس میں ان پانچ باتوں میں سے کوئی بھی بات موجود نہ ہو۔ ان پانچوں باتوں کی اصل اور بنیاد خود قرآن مجید ہے جو اس فن کے ماہرین اور ماہرینِ قرآن پر مخفی نہیں۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہ پانچوں باتیں آپس میں ہم مرتبہ نہیں؛ ہیں بلکہ ان پانچوں کے باہمی درجات میں تفاوت ہے، مثلا اگر دین اور جان میں سے کسی ایک کو بچانے کا موقع ہو تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس موقع پر دین بچانا مقدم ہوگا، اگرچہ جان نہ بچ پائے، اسی طرح اگر جان اور مال میں سے ایک چیز بچائی جا سکتی ہو تو شریعت جان بچانے کو ترجیح دے گی وغیرہ۔

یہ پانچ ضروریات اصول دین میں سے ہیں۔ امام شاطبی نے انھیں "اصول دین، قواعد شریعت اور کلیات ملت" کے القاب دیے ہیں جن سے ان کی اہمیت خود بخود واضح ہو رہی ہے۔ مثلا:

ارکانِ اسلام کا مکلف اس لیے بنایا گیا؛ تاکہ انسان کا "دین" سلامت رہے۔

دیت، قصاص اور زخموں وغیرہ کے احکام اس لیے دیے گئے؛ تاکہ انسانی "نفس" کی حفاظت ہو۔

نشہ آور چیزوں اور دیگر لہو ولعت کی ممانعت کی گئی؛ تاکہ انسانی "عقل" سلامت رہے۔

گھریلو زندگی سے متعلق احکامات اس لیے دیئے گئے؛ تاکہ انسانی "نسل" کو بقاء اور تحفظ میسر آئے۔

خرید وفروخت کے احکامات اور چوری وڈاکہ زنی وغیرہ کی ممانعت اس لیے کی گئی؛ تاکہ انسانی "مال" محفوظ رہ سکے۔

شریعت نے کس طرح اپنے احکامات میں ان پانچ باتوں کو ملحوظ رکھا ہے اسی لیے انھیں اصول دین اور قواعد شریعت کا لقب دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ جو باتیں ان پانچ مقاصد میں سے کسی میں بھی خلل انداز ہوں انھیں شریعت "مفاسد" کا نام دیتی ہے اور جن باتوں سے یہ پانچ باتیں سلامت اور محفوظ رہیں انھیں "مصالح" قرار دیتی ہے۔

اللہ تعالی کے ہر حکم کی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے تاہم بعض اوقات وہ انسان کی سمجھ میں آتی ہے اور بعض اوقات نہیں ۔ علماء اصول الفقہ نے اپنی تصنیفات میں کہیں اجمال اور کہیں تفصیل کے ساتھ ان پر بحث کی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرائض پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے ایسے ہی رخصت پر عمل کرنے کو محبوب رکھتا ہے۔ اسی لیے رخصت اور فرض میں اللہ تعالیٰ کا ایک ہی حکم ہے یعنی تیمم کی جگہ پر تیمم ہی افضل ہے نہ کہ وضوء، ایسے ہی قصر کے مقام پر مکمل نماز کی نسبت قصر ہی اعلیٰ اور ارفع ہے چنانچہ انسانوں سے رخصتوں کے مقام پر رخصتوں پر عمل اور فرائض کی جگہوں پر فرائض پر عمل مطلوب ہے اور اسی طرح اگر ایک جگہ میں دونوں چیزیں متعارض آجائیں تو افضل کی رعایت ہوگی۔

مکلف کو کسی عذر کی وجہ سے جو آسانی دی جاتی ہے، اسے رخصت کہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بسا اوقات کسی کے دل میں شریعت کی مباح کی ہوئی چیز پر عمل کرنے سے تکبر اور بڑائی آجاتی ہے، اس کو دور کرنے کے لیے فرض کو بعض حالات میں رخصت میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ جس نے مباح امور سے ناک چڑھایا تو اس کا دین خراب ہوجاتا ہے۔ اس لیے اسے رخصت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ اپنے آپ سے تکبر کو دور اور ختم کرسکے اور برائی پر ابھارنے والے نفس کو شرعی کے امور پر عمل کروانے پر مجبور کرسکے۔

لغت میں رخصت کے معانی، تخفیف، اور آسانی کے ہیں۔ اصطلاح میں رخصت اس حکم کو کہتے ہیں جو کسی راجح معارض کی وجہ سے شرعی دلیل کے خلاف ثابت ہو۔ جیسا کہ مریض کا اپنے مرض کی وجہ سے پانی کی موجودگی کے باوجود تیمم کرنا اور مجبوری کے وقت مردار کھانا۔

عبادات میں رخصت سے مراد نماز، روزہ، زکوۃ اور حج میں جو رعایت اور چھوٹ اللہ نے دی ہے اس سے فائدہ حاصل کرنا۔ مثلاً سفر کی نماز قصر ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اور جب تم سفر پر جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کچھ کم کر کے پڑھو، بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر تم کو ایذا دیں گئے۔ (سورۃ النساء: ۱۰۱)

اس آیت میں نماز قصر ایسے سفر کے ساتھ مشروط ہے جس میں خوف بھی ہو اس لیے بعض صحابہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ اب تو امن کا زمانہ ہے اور ہم پھر بھی قصر پڑھتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ ہم حالت امن کے سفر میں قصر کریں یہ تمہارے لیے اللہ کی رعایت ہے پس اس رعایت کو قبول کرو۔ (مسلم)

رخصت، عزیمت کا مد مقابل ہے، اس کے تحت درج ذیل امور آتے ہیں: سفر میں نماز کو قصر اور جمع کرنا رخصت ہے۔ چنانچہ جیسے حضر میں مکمل نماز پڑھنا اللہ کو پیارا لگتا ہے ایسے ہی سفر کے دوران قصر نماز کو پسند کرتا ہے۔ مریض اور مسافر کے لیے روزہ چھوڑنے کی رخصت ہے، نیز حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کو بھی بچوں کے خوف کی وجہ سے روزہ ترک کرنے کی اجازت ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰى رُخْصُهُ، كَمَا يَكْرَهُ أَنْ تُؤْتٰى مَعْصِيَتُهُ))

بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی (دی ہوئی) رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسے اپنی نافرمانی کو ناپسند فرماتا ہے۔

موضوع تحقیق کی اہمیت (Importance of the topic)

رخصت اور سہولت سے مسلمانوں کے لیے آسانی ہے کہ عبادات میں رکاوٹ نہ ہو اس لیے مسلمانوں کے لیے رخصت دی گئی ہے کہ جیسے آسان سمجھے ویسے عمل کرے۔ رخصت پر عمل کی وجہ سے اللہ کی محبت "کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ترک مکروہ اور ناپسند کرتا ہے۔ چنانچہ رخصت کو قبول کرنے کی اتنی تاکید کی کہ وجوب کے قریب ہو گیا۔ یہ بات آپ ﷺ کے اس فرمان (جیسے اللہ اپنی نافرمانی کو ناپسند فرماتا ہے) سے اخذ ہوتی ہے۔

امام غزالی فرماتے ہیں کہ

"آپ ﷺ کا مذکورہ فرمان ضعفاء کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے ہے کہ کہیں کمزوری انہیں ناامیدی کی طرف نہ لے جائے اور وہ اعلیٰ اور انتہائی درجات تک پہنچنے سے عاجز ہونے کی وجہ سے بھلائی کے آسان کام چھوڑ دیں۔" احیاء علوم الدین، ص:۲۷۸، ۴

آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يُحِبُّ أَنْ تُوْتٰى رُخْصَهُ، كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُوْتٰى عَزَائِمُهُ "(صحیح الجامع الصغیر، رقم:۱۸۸۵)

یقینا اللہ پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسے اپنے فروض پر عمل کرنا پسند فرماتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكُمْ بِرُخْصَةِ اللهِ الَّتِيْ رَخَّصَ لَكُمْ فَاقْبَلُوْهَا))

اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رخصتیں دی ہیں انہیں قبول کرو اور لازم پکڑو۔

اس حدیث اور اس کی ہم مثل احادیث کی وجہ سے مصطفی علیہ السلام اہل کتاب پر لدے ہوئے طوق اور بوجھ کی مشابہت کو ناپسند کرتے تھے اور اسی لیے اپنے صحابہ کو مجرد رہنے اور رہبانیت اختیار کرنے پر جھڑکتے تھے۔

رخصت کو اس کی مواضع پر ضرورت کے وقت استعمال کرنا چاہیے۔ آدمی جب ایسا ہو کہ محض مندوب پر عامل ہو اور رخصت پر عمل نہ کرتا ہو تو شیطان اس سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے اور جو انسان بدعت پر اصرار کرے اس کی کیا حالت ہوگی؟

شرعی رخصت کو لینا چاہیے کیونکہ رخصت کے مقام پر فرض کو پکڑنا تکلیف ہے جیسے کہ پانی کے استعمال سے عاجز آنے والا تیمم ترک کردے تو پانی کا استعمال اسے تکلیف پہنچائے گا۔

حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے جس نے اللہ کی دی ہوئی رخصت قبول نہ کی تو عرفہ کے پہاڑ جیسا گناہ اس کے ذمے ہوگا۔

اس قول کے تحت وہ انسان آتا ہے جو رخصت سے بے رغبتی کرتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ))

جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی تو وہ مجھ سے نہیں۔(البخاری فی کتاب النکاح، باب: الترغیب فی النکاح، رقم: ۵۰۶۳)

مقاصد تحقیق (Objectives of the Research)

- مقاصد شریعت اور عبادات میں باہمی تعلق کو تلاش کرنا۔
- عبادات میں رخصت کے اسباب اور مقاصد تک رسائی حاصل کرنا۔
- عبادات میں رخصت و تخفیف کے دلائل کا جائزہ لینا۔
- عبادات میں رخصت و تخفیف کی صورتوں اور فوائد و ثمرات سے آگاہی حاصل کرنا۔

تحقیقی سوالات (Research Questions)

- عبادات میں رخصت و تخفیف کس امر کی نشاندہی کرتی ہے؟
- عبادات میں مقاصد شریعت کے کن اصولوں کو مد نظر رکھا گیا ہے؟
- عبادات میں رخصت و تخفیف کی صورتیں اور اسباب کون کون سے ہیں؟
- عبادات میں رخصت و تخفیف کے دلائل کی نوعیت کیا ہے؟

بیان مسئلہ (Statement of the problems)

ہمارے سماج کے اندر مرد وزن عبادت میں رخصت و تخفیف کے مسائل سے نابلد ہیں۔ جس کی وجہ سے معاشرے میں اکثر افراد فرض کو چھوڑ دیتے ہیں جو کہ گناہ کا سبب بنتا ہے۔ اللہ نے اسلام کو آسان دین بنایا ہے عبادت میں رخصت و تخفیف کے تمام پہلوؤں کو رکھ کر عبادت کرنا مسلم امہ کے لیے آسانی پیدا کر دی گئی ہے تاکہ کسی عذر کی بنا پر ہر کوئی فرد عبادت کرنا نہ چھوڑے اور رخصت و تخفیف سے فائدہ اٹھا سکے۔ معاشرے کو اس موضوع سے متعلق مکمل آگاہی دینا ضروری تھا اس لیے میں نے اس موضوع کا انتخاب کیا۔ اور مقالہ ہذا میں فقہی مسائل کو چاروں معروف فقہی مسالک کی آرا کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔

اسلوب تحقیق (Research Method & Methodology)

- مقالہ کا اسلوب تحقیق تجزیاتی ہے۔
- فقہ اسلامی کے چاروں معروف فقہی مسالک کی تمام بنیادی کتب، فقہ حنفی، فقہ شافعی، فقہ مالکی اور فقہ حنبلی سے سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- اس کے علاوہ دیگر جدید ذرائع Internet, central libraries and digital library, سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
- حوالہ جات کے لئے جامعہ نمل کے فارمیٹ کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

طریقہ تحقیق: (Research Approach & design)

دوران تحقیق مندرجہ ذیل طریقہ تحقیق کو اختیار کیا گیا ہے۔

- مقالہ کی تقسیم کچھ اس طرح سے ہے کہ اس میں چار ابواب ہیں اور ہر باب کے لیے الگ الگ عنوان اختیار کیا گیا ہے۔ ان ابواب کو فصول اور مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔

- آیات قرآنی، احادیث مبارکہ، مفکرین اور مصنفین کی آراء سے اس موضوع کو واضح اور مدلل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- بنیادی مصادر کے ساتھ ساتھ ثانوی مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
- قرآنی آیات کے حوالہ جات میں سورۃ کا نام آیت نمبر درج کی گیا ہے۔
- کتب احادیث کے حوالہ جات میں کتاب کا نام، باب کا نام، حدیث نمبر اور پھر جلد و صفحہ درج کیا گیا ہے۔
- آیات قرآنی کی تفسیر اور احادیث مبارکہ کی شروحات سے تشریح کی گئی ہے۔
- موضوع کے متعلق فقہی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- پہلی مرتبہ کسی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے مصنف کا نام، کتاب، پھر باقی تفصیلات اور پھر جلد و صفحہ درج کیا گیا ہے۔
- پہلی مرتبہ مکرر حوالے کے لئے ایضا اور جلد و صفحہ دیا گیا ہے۔
- حوالہ جات ہر صفحہ پر دیئے گئے ہیں۔
- مقالہ کے آخر میں تمام فہرستیں دی گئی ہے۔

اس تحقیقی مقالے میں غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لیے درج ذیل رموزواشارات کا استعمال کیا گیا ہے۔

- ج/ص سلیش کے دائیں جانب جلد جبکہ بائیں جانب صفحہ مراد ہے۔
- ﴿﴾ آیات کے لیے
- (( )) احادیث کے لیے
- ” “ اقتباسات کے لیے
- ؓ رضی اللہ عنہ/رضی اللہ عنہا
- ؑ علیہ السلام
- ؒ رحمۃ اللہ
- حسب ضرورت غیر معروف اعلام اور اماکن کی توضیح حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔
- مقالے کے آخر میں نتائج اور سفارشات و تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ان کے بعد مختلف فہارس اور مصادر و مراجع کیے گئے ہیں۔

سابقہ کام کا جائزہ (Literature Review)

موضوع پر مختلف پہلوؤں سے کام ہوا ہے اس بارے میں تحقیقی مقالہ جات اور کتب لکھی گئی ہیں۔ جن میں سے چند کی تفصیل درج ذیل ہے:

i. احکام و عبادات کے اسباب نزول اور ان کا تجزیہ: مقالہ نگار، فاخرہ تبسم۔ گومل یونیورسٹی ایم-اے ۲۰۰۸ - ۲۰۱۰

اس مقالہ میں عبادات کے احکام سے متعلق تحقیق کی گئی ہے۔

ii. عبادات کے معاشرتی زندگی پر اثرات: مقالہ نگار، محمد عالمگیر۔ گومل یونیورسٹی، ایم-اے، ۲۰۰۰-۲۰۰۲

مقالہ ہذا میں عبادات سے معاشرے میں جو اثرات رونماء ہوتے ہیں ان پر جامع تحقیق کی گئی ہے۔

iii. احکام صلوۃ: فقہی مسالک کے دلائل اور عصر حاضر: مقالہ نگار۔ محمد حسیب، یونیورسٹی۔ آف۔ پنجاب، پی-ایچ-ڈی ۲۰۰۴-۲۰۱۵

اس مقالہ میں نماز سے متعلق فقہی احکام پر تحقیق کی گئی ہے۔

iv. عبادات (نماز، روزہ، زکوۃ اور حج) کے احکام میں تفسیر معارف القرآن اور تفسیر تیسیر القرآن کا تقابلی جائزہ، مقالہ نگار: محمد حمید۔ بہاول پور یونیورسٹی، ایم-فل ۲۰۱۲-۲۰۱۴

اس مقالہ میں ارکان اسلام کو دو تفاسیر کی روشنی میں تقابل کیا گیا ہے۔

v. الرخص الشرعية أحكامها وضوابطها ، رسالة ماجستير ، أسامة مُحَمَّد الصلابي

اس مقالہ میں شرعی رخصت اور اس کے ضوابط و شروط کے حوالے سے مفصل بحث کی گئی ہے۔ اور مثالوں سے ان شرعی رخصتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

vi. العلاقة بين الرخص ومقاصد الشريعة

اس مقالہ میں مقاصد شریعت اور شرعی رخصتوں کے مابین تعلق اور واسطے کو مثالوں کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔

ان تمام تحقیقی ابحاث سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادات کے کسی ایک پہلو کو زیر تحقیق لایا گیا تاہم عبادات میں رخصت و تخفیف کا پہلو ایک جامع کام کا متقاضی ہے، تاکہ معاشرے کو رخصت و تخفیف کے مسائل سے آگاہی حاصل ہو سکے۔

بابِ اوّل

رخصت و تخفیف کا مفہوم، اہمیت اور مقاصد شریعت

فصل اول: رخصت و تخفیف کا مفہوم و اہمیت

فصل ثانی: رخصت کی اقسام اور اسباب

فصل ثالث: عبادات میں رخصت اور مقاصد شریعت

فصل اول:

رخصت و تخفیف کا مفہوم اور اہمیت

رخصت کا لغوی معنی

رخصت کا لفظ سہولت، آسانی اور نرمی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ عربی زبان کے فعل رخص سے ہے جس کے معنی کم ہونے کے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ: **رخص السعر** یعنی نرخ کم اور ارزاں ہو گئے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شارع نے اس چیز میں ہمارے لیے رخصت دی ہے۔ یعنی شارع کی طرف سے آسانی و سہولت دی گئی ہو۔[۱]

عربی زبان میں رخصت کے لغوی معنی تخفیف، تسہیل، تیسیر اور عدم تشدید کے آتے ہیں۔[۲]

رخصت کا اصطلاحی معنی

ما تغير من الحكم الشرعي لعذر إلى سهولة ويسر مع قيام السبب للحكم الأصلي [۳]

وہ حکم شرعی جو صعوبت سے سہولت کی طرف منتقل ہو اور جس میں کسی عذر کی بنا پر آسانی پیدا کر دی گئی ہو۔ اگر چہ اساسی حکم کا سبب جوں کا توں اپنی جگہ پر قائم ہو۔

هی ماوسع للمكلف فی فعله بعذر و عجز عنه مع قيام السبب المحرم[٤]

رخصت وہ حکم ہے جس میں مکلف کے لیے کسی عذر یا مجبوری کی بنا پر سہولت پیدا کی گئی ہو کیونکہ وہ اس کام کا سر انجام دینے کی استطاعت نہیں رکھتا اور حرمت کا سبب باقی رہتے ہوئے اسے اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کی اجازت دی گئی ہو اگر چہ وہ فعل حرام ہو اگر وہ عذر نہ بنتا تو وہ چیز حرام ہوتی۔

اس سے واضح ہوا کہ رخصت وہ احکام ہیں جو شارع نے انسانوں کی مجبوری اور عذر کی بنا پر یہ احکام جاری کیے ہیں اگر مجبوری اور عذر نہ ہو تو اصلی حکم اپنی جگہ بر قرار رہتا، یہ اصلی کلی سے استثنائی حکم ہے۔ اس کا سبب مکلف

---

۱ ابن فارس، احمد بن فارس بن زکریا أبوالحسین، معجم مقاییس اللغۃ، عبد السلام ھارون، المکتبہ الوقفیہ، النشر: ۱۳۹۹، ج/ ۲/ ص/ ۵۰۰

۲ ابن منظور، لسان العرب، مکتبہ دار المعارف، ۲۰۱۰، ج/ ۵، ص/ ۶۰

۳ السبکی، تاج الدین عبد الوھاب بن علی بن عبد الکافی السبکی، علی محمد عوض، المکتبہ الوقفیہ، ج/ ۲، ص/ ۲۶

۴ ایضاً

کی تنگی دور کرنے کے لیے مجبوریوں اور اضطراری حالات کا اعتبار ہے۔ اکثر حالات میں یہ اصلی حکم کو لازمی کے درجے سے مباح، مندوب اور مستحب کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

تخفیف:

کمی، گھٹاؤ، ہلکا کرنا، حروف کے بولنے میں ہلکا یا کم کرنا، مصارف میں کمی، مشقت کو دور کرنا اور آسانی پیدا کرنا۔[۱]

عزیمت کا مفہوم

عزیمت (ع،ز،م) سے ماخوذ ہے۔ العزم والعزیمۃ: کسی کام کو قطعی اور حتمی طور پر ارادہ کرنا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾[۲]

اور جب کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَه﴾[۳]

اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّ ذٰلِكَ مِن عَزمِ الأُمور﴾[۴]

بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

درج بالا آیات کی روشنی میں عزم کا معنی کیا ہیں اور کس کام کو قطعی اور حتمی طور پر ادا کرنا ہے۔

عزیمت کا اصطلاحی مفہوم

عقدالقلب علی امضاء شیء ترید فعله[۵]

---

۱ الفیروزآبادی، ابو طاہر محمد بن یعقوب بن، محمد، القاموس المحیط، خفت

۲ سورۃ آل عمران:۱۵۹

۳ سورۃ البقرۃ:۲۳۵

۴ سورۃ القمان:۱۷

۵ رازی، ابو عبد اللہ محمد فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور، ج/۱، ص/۳۵۲

یعنی کسی کام کو کرنے کے لیے دل کا مضبوط ہونا عزیمت کہلاتا ہے۔

طاقت و گنجائش کے مطابق اللہ کی اطاعت کرنے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرنے کے ارادے کو مضبوط اور پختہ کرنے کا نام عزیمت ہے۔

هو اصل من الاحكام غير متعلق بالعوارض[۱]

وہ حکم جو احکام میں اصلی اور مستقل ہو اور عارضی احکام سے وابستہ نہ ہو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عزیمت کا اطلاق ان شرعی احکام پر ہوتا ہے جو انسانوں کو عام حالات میں دیے گئے ہیں۔ عارضی اور مجبوری کے حالات کا اس میں اعتبار نہیں کیا گیا۔ یہ وہ احکام ہیں جو اس لیے دیے گئے ہیں تاکہ تمام انسانوں کے لیے معمول کے حالات میں ان کو عام قانونی حیثیت حاصل ہو اس میں ضرورت اور عذر کا لحاظ نہیں رکھا گیا جیسے نماز اور عبادات وغیرہ۔ اسی طرح عزیمت میں وہ احکام بھی شامل ہیں جو شارع نے شرعی اسباب کی لیے وضع کیا ہو ایسے حکم کا وجود اپنے سبب کے ساتھ ہی ہوتا ہے جیسے مشرکین کو گالی دینے سے منع کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَا تَسُبُّواْ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَيَسُبُّواْ ٱللَّهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[۲]

اور جن کی یہ اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں انہیں برا نہ کہو ورنہ وہ بے سمجھی میں زیادتی کر کے اللہ کو برا کہیں گے۔

یہ آیت اس سب کو منع کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے جس کی وجہ سے اندیشہ تھا کہ وہ اللہ کو گالیاں دیں گئے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰه﴾[۳]

اور تمہارے لیے اس میں سے کچھ بھی لینا جائز نہیں جو تم نے انہیں دیا ہے مگر یہ کہ دونوں ڈریں کہ اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے، پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہیں رکھ سکیں گے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ مہر میں سے کوئی چیز واپس لینا درست نہیں ہے لیکن حقوق اللہ کی ادائیگی میں کمی کا خوف ہو تو پھر کسی چیز کا لینا عزیمت ہے۔

---

۱ زیدان، عبدالکریم زیدان، جامع الاصول (الوجیز فی اصول الفقہ)، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد، ص/ ۶۸

۲ سورۃ الانعام: ۱۰۸

۳ سورۃ البقرۃ: ۲۲۹

اسلام دین فطرت ہے یہ انسان کی فطرت اور لوگوں کے درمیان اس فطری فرق سے آنکھیں بند نہیں کرتا جو اعلیٰ درجات تک پہنچنے کے لیے صلاحیت و درکار استعداد کے حوالے سے ان میں پایا جاتا ہے۔اس لیے اسلام نے ہر عمل کے لیے اعلیٰ اور ادنیٰ یہ دو سطحیں مقرر کی ہیں۔اسلام انسان کے ضعف کا اعتراف کرتا ہے۔اسی لیے اسلام نے انسان کو ترغیب بھی دی ہے اور خوف بھی دلایا ہے ،امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا بھی حکم دیا ہے۔سزائیں بھی مقرر کی ہیں اور توبہ استغفار کا راستہ بھی بتایا ہے۔اسلام نے ضرورتوں کے لیے احکام واضع کیے ہیں اور مجبور، معذور اور لاغر جیسے لوگوں کے عذر کا خیال رکھا ہے۔لہذا رخصت و تخفیف کی گنجائش بھی رکھی ہے جس کی صورت میں انسان مشکل اور مصیبت میں ان مشکل اور کھٹن راہوں سے با آسانی نکل سکتا ہے۔ان صورتوں میں وہ چیزیں لازم نہیں ہیں جو پہلے عام حالات میں ان کے لیے ضروری اور لازم یا مکروہ اور حرام تھیں۔جب اعلیٰ اور ارفع کی صورت کو اختیار نہ کیا جا سکے تو اسلام نے ادنیٰ اور ہلکی صورت کو اپنانے کی اجازت دی ہے۔ان شرعی احکام کو رخصت و تخفیف اور عزیمت کہتے ہیں۔[1]

احکام کی اقسام

احکام کی کی دو اقسام ہیں-1 حکم تکلیفی-2 حکم وضعی

حکم تکلیفی

یہ وہ ہے جس کے نتیجے میں انسان کو کسی چیز کا مکلف قرار دیا گیا ہو یا مکلف ہونے سے بری قرار دیا گیا ہو یعنی جس میں انسان کو یہ کام کرنا لازم قرار دیا گیا ہو' یا یہ کام کرنے سے منع فرمایا ہو یا یہ کہا گیا ہو کہ اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کی اجازت ہے۔

حکم وضعی

وضع کے لغوی معنی کسی چیز کو بنانا یا اختیار کرنا ہے۔اصطلاح میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ خطاب ہے جو کسی چیز کو کسی کام کے لیے سبب، شرط یا مانع بنا دیا گیا ہے۔یا کسی چیز کے ہونے کا ذریعہ بنے۔[۲]
حکم شرعی میں رخصت و تخفیف کی حیثیت کے بارے میں علماء کرام کی دو آراء ہیں۔

---

۱ فضلی، عبد الھادی فضلی، مبادی اصول الفقہ ،مکتبہ بشری کراچی ص /۷۴
۲ الوجیز فی اصول الفقہ الاسلامی، کتاب الوجیز، ص /۳۸۷

حکم تکلیفی میں طلب واختیار شامل ہے،عزیمت طلب ہے لیکن رخصت اختیار میں شامل ہے۔بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم وضعی میں سے ہے کیونکہ رخصت حقیقت میں شارع کی طرف سے تخفیف کے اسباب میں سے کسی ایک سبب کا بیان ہے۔عزیمت اس عادت پر عمل کرنا ہے جس کے مطابق کلی احکام نازل ہوتے ہیں۔اس موقف کے مطابق رخصت وعزیمت فعل کی اقسام میں سے ہے۔جن فقہاء کا یہ موقف ہے ان میں مولانا ابن الحاجبؒ،علامہ شاطبیؒ،اور علامہ استویؒ شامل ہیں۔حکم مکلف کے فعل سے متعلق ہے ایک گروہ نے اس انداز میں اور دوسرے نے اپنے طریقے سے تقسیم کیا ہے۔(۱)

امام شافعیؒ کے نزدیک رخصت سے مراد وہ احکام ہیں جو دلیل سے ثابت حکم کے خلاف کسی عذر کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔مثلاً اضطرار کی حالت میں مردار یا سور کا گوشت کھانا عذر کی بنا پر استثنا کر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾(۲)

توجو شخص مجبور ہو گیا قانون شکنی نہ کرتے ہوئے اور نہ حد سے تجاوز کرتے ہوئے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

یعنی جب اضطرار کی حالت میں وہ مردار یا سور کا گوشت وغیرہ کھالے۔خنزیر کا گوشت اور مردار حرام ہے۔اب اگر انسان شدید بھوکا ہو اوراس کی جان نکل جانے کا خطرہ ہو اور اس کے پاس اور کوئی کھانا موجود نہ ہو تو خنزیر کا گوشت اور مردار اس کے حق میں حلال ہو جائے گا۔لہٰذا اب اس شخص کے لیے مردار کا گوشت کھا کر جان بچانا ضروری ہے۔اگر گوشت نہیں کھایا اور مر گیا تو خود کو مارنے والا اور خودکشی کرنے والا کہلائے گا اور گناہ گار ہو گا۔

اسی طرح اگر انسان دشمن کے ہاتھ قید ہو جائے اور ارادہ کفر کرنے یعنی اسلام سے پھڑ جانے کا نہ ہو اور ارادہ اپنی جان بچانے کا ہو تو اس صورت میں وہ ان کے سامنے کفریہ الفاظ کہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

رخصت وتخفیف کی ضرورت واہمیت

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔اس نے انسان کے لیے شریعت میں آسانی پیدا کی ہے۔اللہ تعالی یہ چاہتے ہیں کہ انسان کسی مشکل میں نہ پڑے۔شریعت میں رخصت وتخفیف رکھ کر انسان کے لیے عبادات کو آسان بنا دیا ہے۔

---

۱ علم اصول فقہ ایک تعارف،ص:۹۷-۹۸

۲ سورۃ البقرۃ:۱۷۳:۲

احکام شریعت میں رخصت کی ضرورت واہمیت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اللہ نے احکامات میں رخصت کا پہلو رکھ کے شریعت کے احکامات پر عمل کرنا آسان کر دیا ہے۔ احکامات میں اس کی مشروعیت کو واضح کر دیا کہ انسان کسی شک وشبہ میں نہ رہے اور یقین کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے سہولتوں کی فراہمی اور رخصتوں کی مشروعیت کا اہتمام ایک ایسا اسلامی اصول ہے جس کی تائید قرآن وحدیث کی لاتعداد نصوص کی واضح دلیل سے ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[1]

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتے۔

رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

((إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰى رُخْصَهُ، كَمَا يُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰى عَزَائِمُهُ))[2]

یقینا اللہ پسند کرتا ہے کہ اس کی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسے اپنے فروض پر عمل کرنا پسند فرماتا ہے۔

نیز آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا فرمان ہے:

((عَلَيْكُمْ بِرُخْصَفِ اللهِ الَّتِيْ رَخَّصَ لَكُمْ فَاقْبَلُوْهَا))[3]

اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رخصتیں دی ہیں انہیں قبول کرو اور لازم پکڑو۔

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا ارشاد ہے:

((إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰى رُخْصُه، كَمَا يَكْرَه أَنْ تُؤْتٰى مَعْصِيَتُه))[4]

بے شک اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اس کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کیا جائے جیسے اپنی نافرمانی کو ناپسند فرماتا ہے۔

دنیاوی زندگی میں انسان کو مختلف عذر اور مشکلات پیش آتے ہیں جس کی وجہ سے اسے عبادت کرنے میں مشکل پیش آتی ہے اس عذر کا حل اللہ تعالیٰ نے رخصت و تخفیف میں رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احکام شریعہ میں اپنے بندوں پر خاص کرم وعنایت فرمایا ہے انسان کو زندگی میں مختلف حالات سے واسطہ پڑتا ہے۔ کبھی وہ حالات انسان

---

۱ سورۃ البقرۃ:۱۸۵

۲ البانی، محمد ناصر الدین البانی، صحیح الجامع الصغیر، المکتبہ الاسلامی للطباعۃ والنشر:۱۸۸۵

۳ قشیری، مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، مکتبہ البشری کراچی:۱۱۱۵

۴ صحیح الجامع الصغیر:۱۸۸۶

کے لئے عبادت کرنے میں مشکالات پیدا کر دیتے ہیں۔ ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالی نے شرعی احکام میں سہولت و آسانی پیدا کر دی ہے۔ جس پر عمل کر کے انسان اپنے رب کے احکامات کو بجالا سکتا ہے۔

رخصت پر عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ترک مکروہ اور ناپسند کرتا ہے۔ رخصت کو قبول کرنے کی اتنی تاکید کی کہ وجوب کے قریب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ فرائض پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے ایسے ہی رخصت پر عمل کرنے کو محبوب رکھتا ہے۔ اس لیے رخصت اور فرض میں اللہ تعالیٰ کا ایک ہی حکم ہے یعنی تیمم کی جگہ پر تیمم ہی افضل ہے نہ کہ وضو افضل ہے۔ ایسی طرح قصر کے مقام پر مکمل نماز کی نسبت قصر ہی ارفع اور اعلیٰ ہے۔ انسانوں سے رخصتوں کے مقام پر رخصتوں پر عمل اور فرائض کی جگہوں پر فرائض پر عمل مطلوب ہے اور اگر ایک جگہ میں دونوں چیزیں متعارض آجائیں تو افضل کی رعایت ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے آسانی پیدا کر کے اپنا خاص کرم فرمایا اگر انسان پر کوئی مصیبت یا ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ اسے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے اس صورتحال میں انسان کا مقصد حد سے تجاوز نہ کرنے کا ہو تو اس کے لیے حرام کردہ اشیاء سے اپنی جان بچانا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾[1]

اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے۔

اس سے مراد خودکشی بھی ہو سکتی ہے جو کبیرہ گناہ اور ارتکاب معصیت جو ہلاکت کا باعث ہے اور کسی مسلمان کو قتل کرنا بھی ہے کیونکہ مسلمان جسد واحد کی طرح ہے۔ اس لئے اس کا قتل بھی ایسا ہی ہے جیسے اپنے آپ کو قتل کیا۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کو جب دشمنوں نے سخت اذیت دی تو تکلیف برداشت نہ کرتے ہوئے انہوں نے کفر کا لفظ زبان سے ادا کر دیا اور اپنی جان بچالی۔ آپ ﷺ نے جب ان سے ان کا حال پوچھا تو فرمایا کہ میرا حال تو بہت برا ہے کیونکہ ان لوگوں نے مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک میں نے آپ کی شان مبارک میں بے ادبی کا لفظ زبان سے ادا نہیں کر دیا اور ان کے معبودوں کا کلمہ خیر سے ذکر نہیں کر دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے

۱/ سورۃ النساء:۲۹

دل کا حال کیسا رہا؟ فرمانے لگے وہ تو ایمان پر مطمئن تھا۔ فرمایا اگر وہ دوبارہ تمہارے ساتھ ایسا کریں تو تم پھر ایسا کر سکتے ہو۔ (۱) سورۃ النساء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ (۲)

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو اگر تم نماز میں قصر کرو تو تم پر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

اس آیت میں نماز کو قصر کرنے کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی سفر کی حالت میں ظہر، عصر اور عشاء میں چار فرضوں کی بجائے دو پڑھیں گے۔ سفر میں چار رکعت والی نماز کو پورا پڑھنا جائز نہیں ہے۔

کافروں سے خوف قصر کے لیے شرط نہیں ہے ۔ حضرت یعلیٰ بن امیہ ؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہم تو امن میں ہیں پھر ہم کیوں قصر کرتے ہیں؟ آپ ؓ نے فرمایا: اس کا مجھے بھی تعجب ہوا تھا تو میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا۔ اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہے تم اس کا صدقہ قبول کرو۔ (۳)

اس آیت کے نزول ہونے کے وقت سفر اندیشہ سے خالی نہ ہوتے تھے۔ اس لیے آیت میں اس کا ذکر ہوا ہے۔ خوف کا اندیشہ ہونا کوئی شرط نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کا بھی یہی معمول تھا کہ امن کے سفروں میں بھی قصر کرتے تھے۔ جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ﴾ (۴)

اندھے آدمی پر (جہاد نہ کرنے کا) کوئی حرج نہیں ہے اور نہ لنگڑے آدمی پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو جو لوگ اپاہج اور معذور تھے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہمارا کیا حال ہوگا؟ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ جہاد سے رہ جانے کی صورت میں اندھے پر کوئی تنگی نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی مضائقہ اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے کہ یہ عذر ظاہر ہے اور ان کے لئے جہاد میں حاضر نہ ہونا جائز ہے کیونکہ نہ یہ لوگ دشمن پر حملہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ اس کے حملہ سے بچنے اور بھاگنے کی۔

---

۱ الاصفہانی، ابو نعیم الاصفہانی، الحلیۃ، مکتبہ دار التحقیق بیروت، ج/۱، ص/۱۴۰

۲ سورۃ النساء: ۱۰۱

۳ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا، باب صلاۃ المسافرین وقصرہا، 286

۴ سورۃ الفتح: ۱۷

انہی کے حکم میں وہ بوڑھے اور ضعیف افراد بھی داخل ہیں جنہیں نشست و برخاست کی طاقت نہیں اسی طرح وہ بیمار بھی داخل ہیں جنہیں دمہ کھانسی ہے یا جن کی تلّی بہت بڑھ گئی ہے اور انہیں چلنا، پھرنا دشوار ہے، ظاہر ہے کہ یہ عذر جہاد سے روکنے والے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی اَعذار ہیں جن کے ہوتے ہوئے جہاد میں شرکت نہ کرنا جائز ہے مثلاً انتہاء درجہ کی محتاجی اور سفر کے لئے درکار ضروری چیزوں پر قدرت نہ رکھنا یا ایسی ضروری مشغولیات جو سفر سے مانع ہوں جیسے کسی ایسے مریض کی خدمت میں مصروف ہے جس کی خدمت کرنا اس پر لازم ہے اور اس کے سوا کوئی اس خدمت کو انجام دینے والا نہیں ہے[1]

اس میں اندھاپن، اپاہج اور مرض کو جہاد میں جانے کے لئے عذر قرار دیا گیا ہے۔

اس صورت میں اس نے رخصت پر نہیں بلکہ حقیقت میں عزیمت پر عمل کیا کیونکہ اگر کوئی مباح عمل حرام کا وسیلہ بنے تو وہ بھی حرام ہے۔

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾[2]

اے ایمان والوں! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت میں وسیلہ کا معنی "قربت" کیا ہے اور یہی معنی مجاہد' ابووائل' حسن 'عبداللہ بن کثیر 'سدی اور ابن زید وغیرہ سے بھی نقل کیا ہے۔ اور حافظ ابن کثیر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اس آیت میں "وسیلہ" کا معنی "قربت" ہے۔ اور قتادہ کا بھی قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں وسیلہ کا مطلب ہے کہ "اللہ کی اطاعت اور اس کے پسندیدہ عمل کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرو۔" علامہ ابن کثیر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وسیلہ کا جو مفہوم ان ائمہ تفسیر نے بیان کیا ہے اس میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور وسیلہ وہی ہے جس کے ذریعہ حصول مقصود تک پہنچا جائے۔[3]

شریعت کا قائدہ یہ ہے :

" الوسيلة إلى الحرام حرام"[4]

---

1 ابو صالح محمد قاسم، تفسیر صراط الجنان۔ الفتح: ۱۷

۲ سورۃ المائدہ: ۳۵

۳ تفسیر ابن کثیر: ج ۲، ص ۵۳

۴ الکاسانی، علاء الدین الکاسانی، بدائع الصنائع، مکتبہ دار العلم بیروت: ۲/ ۴۸۸

حرام کا وسیلہ بھی حرام ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان ضعفاء کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے ہے کہ کہیں کمزوری انہیں نا امیدی کی طرف نہ لے جائے کہ وہ اعلیٰ اور انتہائی درجات تک پہنچنے سے عاجز ہونے کی وجہ سے بھلائی کے آسان کام چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ اہل کتاب پر لدے ہوئے طوق اور بوجھ کی مشابہت کو ناپسند کرتے تھے اور اسی لیے اپنے صحابہؓ کو مجرد رہنے اور رہبانیت اختیار کرنے پر جھڑکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ بعض وہ احکام جو اللہ تعالی نے بعض خاص حالات میں اپنے بندوں کے لیے ازراہ تخفیف رکھے ہیں۔ اور عزیمت میں وہ اصل احکام ہیں جو اس نے عام حالات میں اپنے سب بندوں کے لیے رکھے ہیں۔

یہ قاعدہ تمام مباحات پر لاگو ہوتا ہے صرف رخصت پر ہی نہیں۔ پس رخصت مباح ہے لیکن اگر اس کا ترک اور عزیمت پر عمل، حتمی طور پر حرام تک پہنچائے تو مباح پر عمل حرام ہو گا۔

مذکورہ بالا مثالیں اسلامی شریعت میں رخصتوں کے بارے میں ہیں۔

فصل ثانی:

رخصت کی اقسام اور اسباب

رخصت کی اقسام

رخصت کی کئی اقسام بیان کی گئی ہیں لیکن بنیادی تقسیم دو ہیں۔ایک رخصت کے اطلاق کے اعتبار سے دوسری رخصت کے احکام کے اعتبار سے۔

رخصت کے اطلاق کے اعتبار سے امام سرخسیؒ نے چار اقسام بیان کی ہیں اور اس طرح کہ رخصت کی دو اقسام ہیں۔

i. رخصت حقیقت

ii. رخصت مجاز

رخصت حقیقت

جس کی عزیمت قابل عمل ہو کر بھی باقی رہتی ہو۔یعنی جب عزیمت ثابت ہو گئی تب رخصت بھی حقیت بن جائے گئی۔

اس کی دو اقسام ہیں۔

i. قسم احق

ii. قسم غیر احق

قسم احق

اما احق نوع الحقیقة فمااستبیح[۱]

رخصت کی یہ قسم قوی ترین ہے۔ اس کو حرام فعل ضرورت کے وقت جائز کرنا بھی کہا جاتا ہے جس کو مباح سمجھا جاتا ہے۔مثلاً حالت اکراہ میں کلمہ کفر کے تلفظ کا مباح ہونا،شدید پیاس میں شراب پینا،شدید بھوک میں مردار کھانا یا حالت اکراہ میں روزہ رمضان کے توڑنے کا جواز شامل ہے اس میں کافر ہونے کے تمام نصوص اور محرمات ہونے کے باوجود حالت اکراہ میں کلمہ کفر کہنا سے مواخذہ نہیں ہو گا۔

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾[۲]

---

۱ سید عبد المصور اسماعیل، تلخیص الانوار، مکتبہ عمر فاروق:۵۴/ ۵۲

۲ سورۃ البقرۃ:۱۷۳

جو کوئی لاچار ہو جائے نہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ﴾ (۱)

تم وہ چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ وہ واضح کر چکا ہے جو کچھ اس نے تم پر حرام کیا ہے ہاں مگر وہ چیز جس کی طرف تم مجبور ہو جاؤ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رخصت کی وہ قسم ہے جو کہ حرام سمجھی جاتی ہے لیکن اضطراری حالت، جبر کی حالت میں جائز ہے۔ جب شدید بھوک کی حالت میں مر جانے سے بہتر ہے کہ مردار کھا کر جان بچانا مقصود ہو اسی طرح ایمان خطرے میں ہے اور اس کو بچانا مقصود ہو ایسے حالات میں حرام کردہ اشیاء کا استعمال یا کلمہ کفر کہنا جائز ہو گا۔

قسم غیر احق

اس میں کسی فرض کا چھوڑ دینا یا ترک کرنے کی اجازت بھی سمجھا جاتا ہے اور یہ رخصت کی وہ قسم ہے جس میں سبب پایا جائے لیکن اس کے باوجود اس کو مباح ہی سمجھا جائے گا۔ یہ قسم قوت میں ضعیف ہے اس وجہ سے اس کو غیر احق کہتے ہیں۔ مثلاً مسافر اور مریض شخص کو مشقت کو دور کرنے کی غرض سے روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ﴾(۲)

گنتی کے چند روز پھر جو کوئی تم میں سے بیمار یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرلے۔

گنتی کے چند دن ہیں۔ فرض روزے گنتی کے دن ہیں یعنی صرف رمضان کا ایک مہینہ ہے جو انتیس دن کا ہو گا یا تیس دن کا۔ لہٰذا گھبرانے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ ذہن میں رکھو کہ جس رب عَزَّوَجَلَّ نے تمہیں گیارہ ماہ کھلایا پلایا، وہ اگر ایک ماہ صرف دن کے وقت کھانے پینے سے منع فرمادے اور اس فاقے میں بھی تمہارے جسم و روح، ظاہر و باطن، دنیا و آخرت کا فائدہ ہو تو ضرور اس کی اطاعت کرو۔

حیض و نفاس والی عورت کو تو روزہ رکھنے کی اجازت ہی نہیں وہ تو بعد میں قضا کرے گی۔ اس کے علاوہ بھی چند افراد ہیں جنہیں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ آیت میں بطورِ خاص بیمار اور مسافر کو رخصت دی گئی ہے لیکن یہ یاد

---

۱ سورۃ الانعام:۱۱۹

۲ سورۃ البقرۃ:۱۸۴

رہے کہ سفر سے مراد تین دن کی مسافت یعنی ساڑھے ستاون میل یعنی بانوے کلو میٹر ہے۔ اس سے کم سفر ہے تو روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

مریض کو بھی رخصت ہے جبکہ اسے روزہ رکھنے سے مرض کی زیادتی یا ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو تو یہ روزہ چھوڑ دے اور بعد میں ممنوع ایام کے علاوہ اور دنوں میں روزہ رکھ لے۔

مریض کو محض زیادہ بیماری کے یا ہلاکت کے صرف وہم کی بنا پر روزہ چھوڑنا جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ کسی دلیل یا سابقہ تجربہ یا کسی ایسے طبیب کے کہنے سے غالب گمان حاصل ہو جو طبیب ظاہری طور پر فاسق نہ ہو۔[۱]

رخصت مجاز

جس کے درمیان سے عزیمت فوت ہو گئی ہو۔ لہذا اسکے مقابلے میں رخصت مجازیہ ہو گی ان پر رخصت کا اطلاق مجازاً ہو گا۔ اس کی دو اقسام ہیں۔

i. رخصت مجازیہ کاملہ

ii. رخصت مجازیہ غیر کاملہ

رخصت مجازیہ کاملہ

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَه مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِه وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[۲]

جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بناتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں

---

۱ شامی، ابن عابدین درّ المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحۃ لعدم الصوم، ج۳، ص۴۶۳

۲ سورۃ الاعراف:۱۵۷

اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

واما اتم نوعی المجاز فما وضع عنا من الا صرار والا غلال[۱]

وہ قسم ہے جو اصرار و اغلال ہے جو ہم میں سے اُٹھا لئے گئے ہیں۔

مثلاً وہ احکام شاقہ جو پہلی امتوں میں سے مشروع تھے لیکن آپ ﷺ کی امت سے ساقط ہو گئے ہیں۔ جیسے خطاء کرنے والے اعضاء کو کاٹ دینا تیمم سے طہارت کا حاصل نہ کرنا، زکوٰۃ اور مال غنیمت کو آگ سے جلا دینا وغیرہ اس کا نام مجازار خصت رکھا گیا ہے۔ ہمارے لیے ان پر عمل کرنا باعث گناہ ہے۔

رخصت مجازیہ غیر کاملہ

ما سقط عن العباد مع کونہ مشروعا فی الجملة[۲]

جو فی الجملہ مشروع ہونے کے باوجود بندوں سے ساقط ہے۔

حالت سفر میں نماز کا پورا ادا کرنے کے حکم کا ساقط ہونا، چونکہ یہ موضوع رخصت ہے اور فی الجملہ مشروع بھی ہے۔ جب سفر ختم ہوا تو نماز کامل کر کے ادا کرے گا کیونکہ موضوع رخصت ختم ہوا۔

احکام کے اعتبار سے رخصت کی اقسام

رخصت کی اقسام احکام کے اعتبار سے چار ہیں۔

i. رخصت واجب

رخصت پر عمل کرنا واجب ہو کہ اگر وہ رخصت سے فائدہ نہ اٹھائے گا تو گناہ گار ہو گا جیسے حالت اضطرار میں خنزیر وغیرہ کے کھانے کی اجازت۔

ii. رخصت اختیاری

وہ رخصت جس میں کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے لیکن رخصت سے فائدہ نہ اٹھانا بہتر ہے جیسے کسی شخص کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کرنا یا کوئی قتل کی دھمکی دے اگر کوئی اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہہ دے تو اس کے لیے اجازت ہے۔

---

۱ سید عبد المصور اسماعیل، تلخیص الانوار، ص:۵۱

۲ ایضا: ص:۵۴-۵۲

iii. رخصت مستحب

وہ رخصت ہے جس میں رخصت سے فائدہ اٹھانا مستحب اور اولی ہو جیسے مسافر کے لئے رمضان میں روزہ کی وجہ سے مشقت ہو رہی ہو تو اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ افطار کرلے۔[1]

رخصت کے امور و مقاصد

i. مشقت کا وجود آسانی لاتا ہے۔

ii. حرج کا ازالہ ضروری ہے۔

iii. جب کسی کام میں تنگی پیدا ہو جائے اس میں رخصت دے دی جاتی ہے۔

iv. ضرورتیں ممنوع اشیاء کو حلال اور جائز قرار دی جاتی ہیں۔

v. حاجت عام ہو یا خاص ضرورت کے مقام پر بن جاتی ہیں، جو چیز ضرورت کے بنا پر حلال یا جائز قرار دی گئی ہو تو اس کا جواز ضرورت کی مقدار کے مطابق ہی رہے گا۔

vi. وہ ضرورت جس کی بنا پر استثناء حاصل کیا جارہا ہو وہ اس وقت موجود ہو یا نہ ہو کہ اس کے وجود کی محض توقع ہو کسی ایک انسان کے اضطرار کی وجہ سے کسی دوسرے انسان کا حق باطل نہیں ہو سکتا۔

vii. کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے اور نہ نقصان اٹھایا جائے۔ متعدی اضرار کا ازالہ کیا جائے۔ کسی ضرر کو اس طرح کے ضرر سے دور نہیں کیا جاسکتا۔

viii. ضرر کو بقدر امکان دور کیا جائے گا۔ مفاسد کو دور کرنا حصول منفعت پر مقدم ہے۔[2]

شریعت اسلامیہ کے عمومی مزاج سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملات زندگی میں رخصتوں کی فراہمی اور مشقتوں پر سہولتوں کی ترجیح کا پہلو کسی بھی انسان کے نظام حیات کے لیے ناگزیز ہوتا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ دین اسلام نے اس پہلو کی کما حقہ رعایت کی ہے۔

رخصت و تخفیف کی صورتیں

رخصت کا بنیادی مقصد احکام میں تخفیف و سہولت پہنچانا ہے۔ اس نوعیت کے لحاظ سے رخصت و تخفیف کی ساتھ صورتیں ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

---

۱ سرخسی، ابو بکر بن محمد سہیل السرخسی، اصول السرخسی، مکتبہ دار العلمیہ بیروت: ج/۱، ص: ۱۲۲-۱۲۱

۲ صالح بن حمید، رفع الحرج فی الشریعہ الاسلامیہ، ضوابط و تطبیقات، مکتبہ دار الفکر، ص: ۹۳

تخفیف ترخیص

ممانعت کا سبب موجود ہونے کے باوجود آسانی وسہولت کی خاطر ممانعت کا حکم نہ لگایا جائے مثلاً نجاست کی مقدار کم ہونے سے در گزر کرنا اور اس کے باوجود نماز کا درست ہونا۔

تخفیف اسقاط

کوئی حکم بالکل ہی معاف اور ساقط کر دیا جائے۔ مثلاً بیماری کی وجہ سے جماعت اور جمعہ کے وجوب کا ختم ہونا۔

تخفیف تنقیص

یعنی واجب کی مقدار میں کمی کر دینا مثلاً نماز قصر میں نماز کو دو رکعت کرنا۔

تخفیف ابدال

ایک حکم کی جگہ کسی دوسرے حکم کو کرنا جو آسان حکم ہو مثلاً وضوء اور غسل کی جگہ تیمم کرنا، بیمار شخص کے لیے نماز میں قیام کی جگہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم وغیرہ۔

تخفیف تقدیم

آسانی وسہولت کے لیے کسی عمل کو مقررہ وقت سے پہلے جائز قرار دینا مثلاً سال گزرنے سے پہلے زکوۃ دینا اور عرفات میں نماز ظہر کے وقت عصر کی نماز ادا کرنا۔

تخفیف تاخیر

کسی فعل کو مقررہ اوقات کے بعد کرنے کی اجازت دینا، مثلاً مسافر اور بیمار آدمی کے لیے رمضان کے بعد میں روزوں کی قضا کرنے کا حکم۔ [1]

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اسلام میں اصل مطلوب عزیمت ہی ہے۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں ہمارے لیے عزیمت کی نشانیاں موجود ہیں۔

[1] ابن عاشو، محمد الطاہر مقاصد الشرعیۃ الاسلامیہ، وزراۃ الاوقاف والشوون الاسلامیۃ قطر، ۱۴۲۵ھ، ۲/ ۲۱۵

رخصت و تخفیف کے اسباب

اسباب سبب کی جمع ہے سبب ایک ایسا منضبط امر ظاہر ہے کہ جس کو شریعت نے کسی حکم شرعی کے لیے علامت بنایا ہے وہی حکم شرعی مسبب کہلاتا ہے۔ سبب کے پائے جانے سے مسبب پایا جاتا ہے اور اس کے نہ پائے جانے سے مسبب نہیں پایا جاتا۔ مثلاً سورج کا ڈھلنا یعنی ظہر کی نماز کا فرض ہونا یہ مسبب ہے اس مسبب کو حکم شرعی کہتے ہیں۔ [۱]

رخصت کے اسباب درج ذیل ہیں۔

بیماری

بیماری کا سبب میں کئی احکام آتے ہیں جیسے اگر ایسی بیماری ہو کہ پانی لگنے سے جان جانے کا خوف ہو تو وضو کی جگہ تیمم کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح نماز بیٹھ کر، لیٹ کر اور اشاروں سے پڑھی جا سکتی ہے۔ رمضان کے روزے چھوڑے جا سکتے ہیں، حج کے لیے کسی دوسرے شخص کو بھیجا جا سکتا ہے جبکہ وہ تمام شرائط پوری ہوتی ہوں جن کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہو۔

سفر

سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم ہے۔ رمضان میں روزے چھوڑے جا سکتے ہیں۔ جمعہ اور عیدین کی نمازیں ترک کی جا سکتی ہیں۔

اکراہ

اگر کوئی شخص کسی مجبوری اور بے بسی کی حالت میں ہو تو اس وجہ سے بھی کچھ احکام میں تخفیف ہو جاتی ہے جیسے جبر اور اکراہ کی حالت میں کلمہ کفر کہنا وغیرہ۔ [۲]

خطا اور نسیان

حقوق اللہ کے معمالات میں لحاظ قابل عذر ہے۔ لہذا نسیان کی وجہ سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔ اس طرح حکم کے فراموش ہو جانے کا محرک موجود ہو تو حکم ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسے روزے دار کا بھول چوک سے کچھ کھا پی لینا یا قربانی کرتے وقت تسمیہ پڑھنا بھول جانا لیکن اگر کوئی یاد دلا دے تو ترک حکم کا محرک بھی نہ تو پھر حکم ساقط نہیں

---

۱ قاسمی، افتخار احمد قاسمی، اصلاحات اصول فقہ، مکتبہ جامعہ اسلامیہ: ص:۵۲

۲ بدائع الصنائع، ۷/ ۱۷۵

ہو گا۔اس کے برعکس حقوق العباد میں نسیان کا عذر معتبر نہیں ہے۔اس بنا پر کوئی انسان بھول کر کسی انسان کا مال تلف کر دے تو اس پر تاوان لازم ہو گا۔خطا کے سلسلے میں قتل کی جو سزا مقرر کی گئی ہے اس میں قتل عمد کی نسبت بڑی تخفیف موجود ہے۔(۱)

عسر

نجاست معافی کے ساتھ نماز کا صحیح ہونا، حائضہ خواتین کے لیے نماز کا قضا کا واجب نہ ہونا وغیرہ ان امور میں تنگی و مشقت کو دور کیا گیا ہے۔آسانی و سہولت کو برقرار رکھا گیا ہے۔(۲)

---

۱ بدائع الصنائع ص/۴۰/۷۴

۲ ایضاً،۷/۱۷۶

فصل ثالث:

عبادات میں رخصت اور مقاصد شریعت

مقصد اور شریعت کے لغوی معنی

مقصد

مقصد کی جمع ہے جس کے معنی میانہ روی یا جو افراط و تفریط سے پاک ہو۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ اقْصِدْ فِی مَشْیِکَ﴾[1]

اور اپنے چلنے میں میانہ روی اختیار کر۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہوتا ہے: ((القصدَ القصدَ تبْلُغُوا))[2]

دین میں میانہ روی سے چلتے رہو منزل تک پہنچ جاؤ گے۔

شریعت

عربی زبان میں شریعت کو سر چشمہ اور پانی کے منبع کو کہتے ہیں۔ شریعت کا لفظ دین، سنت، ملت، طریقہ، اور منہاج کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

مقاصد شریعت کا اصطلاحی مفہوم

المقاصد هی المعانی الملحوظة فی ا لأحكام الشرعية و المترتبة عليها سواء أكانت تلك المعانی حكماجزئية أم مصالح كلية أم سِمات إجمالية وهی تتجمع ضمن هدف واحد، هو تقرير عبودية الله و مصلحة الإنسان فی الدارين[3]

مقاصد شریعت سے مراد وہ اہداف جو شرعی احکام میں ملحوظ رکھے گئے ہوں اور ان شرعی احکام پر مرتب کیے گئے ہوں چاہے وہ اہداف جزوی حکمتیں، کلی مصلحتیں یا محض اجمالی نشانیاں ہوں

---

۱ سورۃ القمان :۱۹

۲ بخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاری، الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہؐ، صحیح بخاری، مکتبہ دار طوق النجاۃ، کتاب الرقاق :۶۵۴۰

۳ نور الدین بن مختار، الاجتہاد المقاصد، مکتبہ النور، ج/۱، ص/52

تو یہ سب اہداف اپنے ضمن میں ایک ہی ہدف رکھتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اظہار اور انسان کے لیے دنیا اور آخرت میں فائدہ مندی کا ذریعہ بن سکیں۔

بنیادی مقاصد شریعت

شریعت کے مقاصد بنیادی طور پر دو ہیں: دنیا اور آخرت کا فائدہ اور مصالح کا حصول اور دنیا اور آخرت کے نقصانات اور فسادات کا دفعیہ ہے۔

مقاصد شریعت کی اقسام

مقاصد شریعہ کی اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

ضرورت مصالح

یہ شرعیت کے مقاصد میں سب سے اولین قسم ہے جس کو شریعت نے احکام شرعیہ میں ان مصالح کو علت کے بعد سب سے مقدم رکھا ہے۔ یہ ان اہداف و غایات کو کہا جاتا ہے جو اگر وہ ہاتھ میں نہ آسکیں تو انسان کی دنیا اور آخرت برباد ہو جاتی ہے ۔ جیسے اگر نکاح اور نماز پڑھنا اگر نکاح کی قدرت ہو اور کوئی عذر بھی نہ ہو تو اس کے باوجود بھی نکاح نہ کرے تو دنیا کے فوائد سے محروم رہے گا اور اگر شرعی عذر کے بغیر نماز ترک کر دی اور اس سے منہ موڑ لیا گیا تو آخرت برباد ہوگئی ۔ ضروریات سے مراد وہ مصالح ہیں جن پر دین و دنیا دونوں کے مصالح موقوف ہیں اسی پر لوگوں کی زندگی کا دارو مدار ہے ۔ اگر یہ مصالح نہ ہوں تو ان کی عدم موجودگی میں انسانی زندگی میں افرا تفری پھیل جائے اور زندگی کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

پانچ مصالح وہ ہیں جن کو مقاصد خمسہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو دین کی حفاظت ،انسانی جان کی حفاظت ، انسانی عقل کی حفاظت ،انسانی نسل کی حفاظت ،انسان کے مال کی حفاظت ہیں۔

یہ پانچ ضروریات دین کے اصول میں سے ہیں۔اس لیے شریعت نے جتنے بھی احکام دیے ہیں وہ ان پانچ مصلحتوں میں سے کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور موجود ہے اور کچھ میں دو، تین یا سب مصلحتیں موجود ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا ہو جس میں ان پانچ مصلحتوں میں سے کوئی بھی مصلحت موجود نہ ہو۔ ان پانچوں مصلحتوں کی اصل اور بنیادی چیز قرآن مجید ہے، جو اس فن کے ماہرین اور ماہرین قرآن پر مخفی نہیں ان پانچ مصلحتوں کے باہمی درجات میں تفاوت ہے جیسے اگر دین اور جان میں سے کسی ایک کو بچانے کا موقع ملے تو شریعت کا حکم یہ ہے کہ اس موقع پر دین بچانا مقدم

ہے اگرچہ جان نہ بچے، اسی طرح اگر جان اور مال میں سے ایک چیز بچانے کاموقع ملے تو شریعت نے جان بچانے کو ترجیح دی ہے۔

امام شاطبیؒ نے انھیں اصول دین، قواعد شریعت اور کلیات ملت کا لقب دیا ہے جن سے ان کی اہمیت خود واضح ہوتی ہے۔مثلاً:

> انسان کو ارکان اسلام کا مکلف اس لیے بنایا گیاہے تاکہ انسان کا دین سلامت رہے۔دیت، قصاص اور زخموں وغیرہ کے احکام اس لیےبنائے گئے ہیں تاکہ انسان کے نفس کی حفاظت ہوسکے۔نشہ آور چیزوں اور دیگر چیزوں سے منع کیا گیاہے تاکہ انسان کی عقل سلامت رہے۔گھریلو زندگی سے متعلق احکامات اس لیے بتائے گئے ہیں کہ انسان کی نسل کو بقاء اور تحفظ مل سکے۔خرید وفروخت کے احکامات اور چوری اور زنا کی ممانعت اس لیے کی گئی ہے تاکہ انسان کامال محفوظ رہ سکے۔(۱)

حاجیات مصالح

مقاصد حاجیہ سے مراد وہ امور ہیں جن کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے کہ دین میں تنگی ، مشقت دور ہو اور احکام میں وسعت ہو یا یہ وہ مصلحتیں ہیں جن سے انسانی حاجات وابستہ ہوتی ہیں اگر وہ حاجات پوری نہ ہوں تو انسان تکلیف اور مشقت میں پڑ جاتا ہے ، شریعت میں ان کومصالح حاجیہ کا نام دیا گیا ہے۔ جیسے عذر کے وقت تیمم کرنا۔ اصل میں یہ مصالح حاجیہ کی قسم اول مصالح ضرورت سے جڑی ہوئی ہیں۔ مثلاً نکاح کے احکامات، تجارت کے احکام،مال کاتحفظ وغیرہ کی چیزیں جوشریعت نے ان کومدنظر رکھاہے۔

شریعت نے انسانی حاجات میں عموماً رخصت آسانی وسہولت کو ملحوظ رکھا ہے۔جیسے ضرورت کے وقت مردار کھانے کی اجازت ،پانی میسر نہ ہونے یا قدرت نہ ہونے کے وقت تیمم کا حکم ،سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم اورعبادت میں مریض اور مسافر روزہ نہ رکھنے کی رخصت،معاملات میں بیع سلم کی اجازت دی ہے یہ آسانی وسہولت اور رخصت پر مبنی ہے تاکہ انسان اپنی استطاعت کے حدود میں رہتے ہوئے دین کے ارکان اداکرسکے اور ان کو محفوظ رکھ سکے۔(۲)

---

۱ الشاطبی، ابراہیم بن موسی،الموافقات،مکتبہ الوقفیہ بیروت لبنان،ج/۲،ص/۱۳

۲ ایضا،ج/ ۲،ص/۲۱

تحسینیہ مصالح

مقاصد تحسینیہ سے مراد وہ امور ہیں جو کہ عادات میں حسن پیدا کرتی ہیں اور ان ناپاک چیزوں سے اجتناب کرواتی ہیں جن سے انسانی عقل نفرت کرتی ہے۔یہ ایسی مصلحتیں یا ایسے اہداف ہیں جن کی رعایت انسان کے کردار اور گفتگو میں حسن وخوبی کا باعث ہوں انھیں مصالح تحسینیہ کہا جاتا ہے۔اس میں تمام اچھی عادات اور اچھے اخلاق جڑے ہوئے ہیں ۔ اور تمام برے اخلاق سے اجتناب کرنا بھی اس میں شامل ہے کیونکہ بری باتوں اور برے اخلاق سے کنارہ کشی کرنا انسان میں خود ہی ایک حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ اسراف، بخل اور حسد سے اجتناب کرنا، میاں بیوی کے انتخاب میں کفاءت کو ملحوظ رکھنا، کھانے پینے کے آداب، حسن معاشرت، عورت کا ستر، نجاست سے پاک رہنا سب اس میں شامل ہیں۔مصالح تحسینیہ بھی مصالح ضروریہ سے جڑی ہوئی ہے۔جیسے طہارت اور عورت کے ستر کا حکم حفاظت دین ہے، کھانے پینے کے آداب اور حرام چیزوں سے بچنے کا حکم حفاظت نفس،میاں بیوی کا صحیح انتخاب، حسن معاشرت سے حفاظت نسل ،حلال کمانا، صحیح خرچ کرنااور فقیروں کو اپنے مال میں سے حصہ دیناوغیرہ شامل ہیں۔(۱)

مقاصد شریعت کا سرچشمہ

امام جوینیؒ فرماتے ہیں۔(۲)

من لم یتفطن لوقوع المقاصد فی الأوامر و النواھی فلیس علی بصیرةٍ فی وضعِ الشریعة و ھی قبلة المجتھدین من توجه إلیھا من أی جھة أصاب الحق دائما(۳)

---

۱ الموافقات، ج/۲ ،ص/ ۱۳

۲ (الجوینی(پیدائش:۱۷فروری ۱۰۲۸ء—وفات:۲۰اگست ۱۰۸۵ء) عموماًامام الحرمین کے خطاب سے مشہور ومعروف ہیں۔ الجوینی پانچویں صدی ہجری یعنی گیارہویں صدی عیسوی کے متکلم،فقہ شافعیہ کے فقیہ اور الٰہیات کے عالم تھے۔۴۱۹ھ میں پیدا ہوئے اور۴۷۸ھ میں فوت ہوئے۔الجوینی کی زندگی کا بیشتر حصہ خراسان، نیشاپور، حجاز میں بسر ہوا۔الجوینی مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں درس وتدریس اور بحیثیت خطیبِ اعظم و محدث کے باعث امام الحرمین کہلائے۔الجوینی کی وجہ شہرت اُن کی مشہور تصنیف الورقات ہے۔)

۳ الجوینی،البرہان فی اصول الفقہ، ج/۱، ص/۲۰۶

جو شخص شرعی مامورات اور منہیات کے مقاصد کو نہ سمجھ سکے تووہ شرعی احکامات میں صاحب بصیرت نہیں بن سکتا کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ یہ مقاصد شریعت مجتہدین کی کاوشوں کا قبلہ ہیں اور جو شخص کسی بھی مسئلے میں ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ حق پر رہتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهَ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَايُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾[1]

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہیں مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

آپ ﷺ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

((يَسِّرُوْا وَلَاتُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَاتُنَفِّرُوْا))[2]

تم آسانی کرو مشکلات کھڑی نہ کرو اور خوش خبری سناؤ متنفر نہ کرو۔

مقاصد شریعت کی اقسام باعتبار احکام

احکام شریعت میں جو مقاصد اہداف ملحوظ ہوتی ہیں ان کی احکام کے اعتبار سے تین اقسام ہیں:

i. مقاصد عامہ

ii. مقاصد خاصہ

iii. مقاصد جزئیہ

مقاصد عامہ

اس سے مراد وہ مقاصد ہیں جنہیں شریعت تمام احکامات میں ملحوظ رکھتی ہے۔ مثلاً **إنما الاعمال بالنيات** اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔یہ ایسا شرعی مقصد ہے جو عموماً شرعی احکامات میں ملحوظ ہوتا ہے۔

الضرورات تبيح المحذورات

ضرورت، ممنوع چیز کو مباح بنا دیتی ہے۔

یہ ضابطہ اکثر شرعی احکامات میں ضرورت وقت پر جاری ہوتا ہے۔

1 سورۃ البقرہ:۱۸۵

۲ صحیح بخاری:۶۹

مقاصد خاصہ

اس سے مراد وہ اہداف و غایات ہیں جنہیں شریعت کے خاص باب میں ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ ،زکوۃ، حج ، جہاد فی سبیل اللہ، عقوبات، دیت اور معاملات وغیرہ

مقاصد جزئیہ

اس سے مراد وہ شرعی مقاصد ہیں جنہیں شارع کی طرف سے ہر حکم شریعت کے حکم کے مطابق رکھا گیا۔ مثلاً کسی چیز کا واجب ہونا، حرام ہونا، مندوب ہونا، مکروہ ہونا، کوئی چیز کسی حکم کے لیے شرط ہو اور کوئی چیز کسی حکم کے لیے سبب ہو۔

شرعی احکام کی حکمتیں

شرعی احکام کی حکمتیں مندرجہ ذیل ہیں:

قبلہ کا تعین

قبلہ کے بارے میں ارشاد ہے۔

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ﴾[1]

اور آپ جہاں کہیں سے نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کیا کریں اور تم بھی جہاں کہیں ہو تو اپنا منہ اس کی طرف کیا کرو تاکہ لوگوں کو تم پر کوئی الزام نہ رہے۔

تیمم کا حکم

وضوء کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾[2]

---

۱ سورۃ البقرۃ:۱۵۰

۲ سورۃ المائدہ:٦

اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو اور اسے اپنے مونہوں اور ہاتھوں پر مل لو بے شک اللہ تم پر تنگی نہیں کرنا چاہتا لیکن تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور تا کہ اپنا احسان تم پر پورا کرے تا کہ تم شکر کرو۔

نماز کا حکم

نماز کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿وَاَقِمِ الصَّلَاةَ ؕ اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ﴾[1]

اور نماز کے پابند رہو بے شک نماز بے حیائی اور بری بات سے روکتی ہے۔

روزے کا حکم

روزے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[2]

اے ایمان لانے والو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا اسی طرح تم پر بھی روزہ فرض کیا گیا ہے اس امید پر کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

جہاد کا حکم

جہاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾[3]

جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ بھی لڑیں کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔

قصاص کا حکم

قصاص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے۔

۱سورۃ العنکبوت:۴۵

۲سورۃ البقرۃ:۱۸۳

۳سورۃ الحج:۳۹

﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَآ أُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[1]

اور اے عقل مندو تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے تاکہ تم خونریزی سے بچو۔

اللہ تعالی کے ہر احکام میں حکمت ضرور ہوتی ہے اور جن احکام میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا ان کو قیاس اور اجتہاد کے ذریعے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

مقاصد شریعت کے فوائد

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقاصد شریعت میں جو فوائد رکھے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

روزے کا فائدہ حصول

روزے کا فائدہ حصول تقوی ہے اور تقوی کا حصول شرعی مقصد ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[2]

اے ایمان لانے والو! جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا اسی طرح تم پر بھی روزہ فرض کیا گیا ہے اس امید پر کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

جہاد کا فائدہ حصول

جہاد کا ایک مقصد جارح دشمن کی جارحیت کو دفع کرنا شرعی مقصد کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾[3]

جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ بھی لڑیں کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے۔

نکاح کا فائدہ حصول

نکاح کے مقاصد میں اپنی نظروں کی حفاظت، شرمگاہ اور اولاد کا حصول ہے یہ سب شرعی مقاصد کہلاتے ہیں۔ مقاصد اور مصالح اللہ تعالیٰ کی بندگی اور بندوں کی دنیا اور آخرت کی سعادت مندی سے جڑے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

۱ سورۃ البقرۃ:۱۷۹

۲ سورۃ البقرۃ:۱۸۳

۳ سورۃ الحج:۳۹

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (۱)

ہم نے ہر امت میں یہ پیغام دے کر رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو رہو۔

﴿وَمِنْ اٰیَاتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَاتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ﴾ (۲)

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس میں سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے آرام و اطمینان حاصل کرو اور اس سے تم میاں بیوی کے درمیان محبت اور ہمدردری پیدا کی اس بات میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔

اس کے ساتھ نکاح اطمینان اور سکون کا باعث بھی ہے۔ارشادربانی ہے کہ:

﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا﴾ (۳)

اللہ تعالی وہ ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جاندار سے اس کا جوڑا بنادیا تاکہ وہ اس سے سکون و اطمینان حاصل کرے۔

نکاح انسان کا پردہ پوش بھی ہے۔اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (۴)

وہ عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کالباس ہو۔

اسلام ایک ایسے پاک اور صاف معاشرہ کے قیام کا خواہاں ہے کہ اس میں تمام لوگ پاک اور صاف زندگی گزاریں ہر ایک کو اپنا نسب معلوم ہو کیونکہ وہی معاشرہ پر امن و پرسکون بن سکتا ہے کہ جس میں اخلاقی اقدار کی پاسداری ہو یہی وجہ ہے کہ شریعت نے زنا کو حرام ٹھہرایا ہے بلکہ زنا سے بھی بچنے کی تلقین کی ہے۔

---

۱ سورۃ النحل:۳۶

۲ سورۃ الروم:۲۱

۳ سورۃ الاعراف:۱۸۳

۴ سورۃ البقرۃ:۱۸۷

عصر حاضر میں مقاصد شریعت کا اطلاق

عصر حاضر میں مسلمانوں کو درپیش مسائل کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کئی ایسے غیر مسلم اکثریتی ممالک میں مسلمانوں کے لیے اور مسلم اکثریتی ممالک میں غیر مسلموں کے لیے، شہریت، حکومت میں شرکت اور فوج میں شرکت وغیرہ ، اسلامی تمویل کے حوالے سے نت نئے رجحانات اور جدید حیاتیاتی اخلاقیات جیسے مسائل سرفہرست ہیں۔

مقاصد شرعیہ ، مصالح مرسلہ، اسرار شریعت، معانی اور حکم جیسے الفاظ سے تعبیر کیا جانے والا یہ تصور شروع ہی سے موجود رہا ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کو جو احکام دیتے ہیں اس سے انسانوں کی بھلائی مقصود ہوتی ہے اللہ تعالی بے نیاز ہے اسے ہم انسانوں سے کچھ نہیں لینا۔ انسانوں کے آخرت اور دنیا کے مفادات سامنے رکھ کر انہیں جو احکام دیئے گئے ہیں ان میں سے کچھ کے بارے میں قرآن و سنت میں بتایاگیا ہے کہ ان سے کیا فائدے ہوں گے اور خاص کر دنیا کے امور سے متعلق احکام میں اور بعض پر غور کرنے سے ان کے فائدے سمجھ سکتے ہیں۔ مقاصد شریعت کا بیان احکام شریعت کو ایک باہم مربوط مضبوط اور واضح اہداف کے حامل نظام کے طور پر سمجھنا ممکن بناتا ہے۔ مقاصد شریعت کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان سےنئے مسائل معلوم کرنے میں مدد گار ثابت ہوتے ہیں جن کے بارے میں کوئی حکم موجود نہ ہو۔[۱]

جہاں تک پیش آنے والے نئے مسائل کا تعلق ہے کہ ان کو ضروریات کی مذکورہ تقسیم میں شامل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس حوالے سے نجات اللہ صدیقی صاحب ان علماء سے اختلاف کرتے ہیں جن کا یہ خیال ہے ان مسائل کو مذکورہ تقسیم کی روشنی میں دیکھنا چاہئے۔آپ لکھتے ہیں:

مقاصد کی روایتی فہرست پانچ پر مشتمل ہے ۔دین، جان، عقل، نسل اور مال میں خود اتنی وسعت ہے کہ بہت سے نئے مقاصد اسی فہرست میں داخل سمجھے جا سکتے ہیں، مثلاً دین میں عدل و انصاف اور ازالہ غربت ،کفالت عامہ اور حفظ جان بھی شامل کیے جاسکتے ہیں۔ ہمیں دو وجتہوں سے اس فکر و سوچ سے اتفاق نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے کہا ہے، مقاصد شریعت کے بیان میں تحفظ سے

۱صدیقی، نجات اللہ صدیقی، مقاصد شریعت ، ادراہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۲۰۰۹، ص/۲۲

آگے بڑھ کر ترقی دینا بھی شامل کرنا ضروری ہے۔ روایتی فہرست میں سارا دفع مضرت پر ہے جلب منفعت کا پہلو دب گیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ موجودہ عالمی اور قومی سطح کے مسائل میں ماحولیاتی تلوث پر کنٹرول ، کائنات کے قدرتی وسائل کا بچاؤ ، عمومی اور کلی تباہی مچانے والے اسلحوں کے استعمال اور ان کی پیداوار پر پابندی اور موجود نیوکلیئر ہتھیاروں ، نیز کیمیائی اور حیاتیاتی اسلحوں کا تلف کیا جانا اور اقوام عالم کے باہم امن و چین سے رہ سکنے کے دوسرے تقاضے پورے کرنے کے لئے یہ بہتر ہے کہ ان امور سے مناسبت رکھنے والی اسلامی تعلیمات کو اہمیت کے ساتھ پیش کیا جائے۔ مسئلہ یہ نہیں کہ منطقی طور پر کیا بات کس بات سے نکالی جاتی سکتی ہے اہم بات یہ ہے کہ نئے حالات میں اسلام اور مسلمانوں کو سیاسی، معاشی، اور سماجی امور میں دنیا کی رہنمائی کے لیے کس طریقہ سے زیادہ مدد مل سکتی ہے۔

گلوبلائزیشن کے چیلنجوں سے عہدہ برآہونے میں مقاصد شریعت کی فہرست میں ان چیزوں کے اضافہ سے مدد ملے گی جن کی مقصودیت کو کتاب و سنت کی سند تو حاصل ہے مگر اب پہلے ان کو زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

باب ثانی

طہارت وصلٰوۃ میں رخصت وتخفیف کے اسباب وصورتیں

فصل اول: طہارت میں رخصت کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں

فصل ثانی: طہارت میں تخفیف کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں

فصل ثالث: صلوۃ میں رخصت کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں

فصل رابع: صلوۃ میں تخفیف کے اسباب وصورتیں

فصل اول:

طہارت میں رخصت کے اسباب، صورتیں اور حکمتیں

طہارت کا لغوی

طہارت عربی زبان کا لفظ ہے۔ طہر، یطہر باب کرم کا مصدر ہے۔ لغت میں طہارت کے معنی((النظافة والتراهة عن الاقذار))[1] نظافت اور پاکیزگی حاصل کرنا اور پلیدی سے بچنا ہے۔

طہارت کا اصطلاحی مفہوم

شرعی اصطلاح میں طہارت کا مفہوم وفی الشرع النَّظَافَةَ عن حدث اوخبث [2]

شرعی اصطلاح میں پاکیزگی حاصل کرنا حدث اکبر، حدث اصغر اور خبث سے بچنا ہے۔

اقسام طہارت

شریعت کے ابواب میں طہارت، اخبات، سماحت اور عدالت ہیں۔[3]

ان کے نزدیک شریعت کو کل چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن میں سے پہلا ایک چوتھائی حصہ صرف طہارت کو حاصل ہے۔ طہارت کی تین اقسام ہیں۔

i. ایک حدث سے طہارت یعنی جن حالتوں میں غسل یا وضو واجب ہے، ان حالتوں میں غسل یا وضو کر کے شرعی طہارت و پاکیزگی حاصل کرنا۔

ii. دوسری قسم ہے، ظاہری نجاست اور پلیدی سے جسم، لباس اور جگہ کو پاک کرنا۔

iii. تیسری قسم ہے، جسم کے مختلف حصوں میں جو گندگیاں اور میل پیدا ہوتا رہتا ہے، اس کی صفائی کرنا، جیسے ناک، دانتوں، ناخنوں اور زائد بالوں کی صفائی ہے۔[4]

طہارت کی دو بڑی اقسام ہیں:

i. طہارت معنویہ

---

۱ لسان العرب، ج/۴، ص/ ۵۰۶

۲ الجزیری، عبد الرحمن الجزیری، الفقه علی المذاهب الأربعة، ج/ 1، ص/ ۵

۳ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حجۃ البالغۃ، مکتبہ الفوز الکبیر لاہور، ص/ ۲۷۳

۴ حقانی، عبد الحق حقانی، حجۃ البالغۃ، ص/ ۲۷۴

ii. طہارت حسّی

طہارت معنویہ

طہارت معنویہ کی دو قسمیں ہیں: 1 کبریٰ 2 صغری

طہارت معنویہ کبری

یہ ایسی طہارت ہے کہ آدمی اپنے دل کو شرک، اس کی غلاظتوں سے مکمل پاک کرلے، توحید خالص کے عقیدہ کو اپنے دل و دماغ میں بسالے اور مکمل طور پر اللہ تعالی کی بندگی اختیار کرلے۔

طہارت معنویہ صغری

یہ ایسی طہارت ہے کہ آدمی اپنے دل کو اخلاقی برائیوں یعنی کینہ، حسد، ریا، تکبر اور حب جاہ ومال وغیرہ سے پاک کرے اور اپنے دل کو اخلاقی محاسن وفضائل سے مزین کرلے۔

طہارت حسیہ کی اقسام

طہارت حسّیہ یعنی ظاہری طہارت کی دو اقسام ہیں۔

اس کو حدث اصغر بھی کہتے ہیں، حدث اصغر سے مراد وہ حدث ہے جس کی وجہ سے وضو کرنا پڑے۔

ایک یہ کہ حدث کو زائل کر کے پاکی حاصل کرنا، اس قسم کے ذیل میں فقہاء حضرات پانی کے پاکی وناپاکی، وضو، غسل، تیمم اور موزوں پر مسح وغیرہ کے مسائل سے بحث کرتے ہیں۔

حدث اکبر سے مراد وہ حدث ہے جس کی وجہ سے غسل کرنا پڑے، خبث سے مراد نجاست سے بچنا ہے۔ نماز کی صحت و قبولیت کے لیے طہارت ایک اہم شرط ہے۔

دوسری قسم یہ کہ خبث کو زائل کر کے طہارت حاصل کرنا۔ اس قسم کے ذیل میں فقہائے کرام اشیائے نجسہ کے طہارت سے متعلق ضوابط اور نجاست کی اقسام کو بیان کرتے ہیں۔

طہارت کی اہمیت

اسلام میں طہارت اور پاکیزگی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عمل اللہ تعالی اور اس کے پیارے رسول ﷺ کے نزدیک نہایت محبوب اور پسندیدہ ہے۔

اسلام میں طہارت کی بڑی اہمیت ہے چاہے وہ حقیقی طہارت[۱] ہو یا حکمی طہارت[۲] ہو۔ کیونکہ یہ طہارت نماز کے لیے بنیادی طور پر شرط ہے۔

اسلام انتہائی پاکیزہ مذہب ہے یہ اپنے ماننے والوں کے لیے طہارت و پاکیزگی کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے توسط سے زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق کتاب و سنت کی شکل میں جو احکام اور ہدایات عنایت فرمائے ہیں وہ اگر حقیقی معنوں میں ان پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہر فرد کا ظاہر و باطن اس کا جسم و لباس، رہنے کی جگہ، گھر بار، گلی و محلہ، اور ماحول حتی کہ پورا معاشرہ پاکیزگی کے مظہر بن جائیں گے۔

طہارت والوں یعنی پاک صاف رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

يا معشَرَ الأنصارِ، إنَّ الله قد أثنى عليكم في الطُّهورِ، فما طُهورُكم؟ قالوا: نتوضَّأُ للصلاة ونغتَسِلُ من الجنابةِ ونستنجي بالماءِ، قال: هو ذاكم فعَليكموه[۳]

اے گروہ انصار! اللہ تعالیٰ نے طہارت کے بارے میں تمہاری تعریف بیان کی ہے کہ تمہاری طہارت و پاکی کیا ہے؟ انصار نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم نماز کے لیے وضو کرتے ہیں، جنابت سے غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجا کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہی وہ طہارت و پاکی ہے جس کی اللہ نے تعریف کی ہے پس تم اسے لازم پکڑو۔

رسول اللہ کا ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طُهُوْر))[۴]

طہارت کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو اپنے ظاہر و باطن کو پاک کرنے کا حکم فرمایا۔ انسان اپنے ظاہر کو ناپاک اور پلید چیزوں سے پاک کرتا ہے اور اپنے باطن کی شرک، حسد، کبر و غرور اور کینہ جیسی قلب کی بیماریوں سے پاک صاف کر کے باطن کو صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام کرتا ہے جب وہ ایسا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی محبت کا حقدار بن جاتا ہے۔

---

۱ الحجۃ البالغۃ، ص ۱۷۵

۲ ایضاً"، ۱۷۷

۳ البیہقیؒ، ابی بکر احمد بن الحسین البیہقیؒ شعب الایمان، باب العشرون من شعب الإیمان، الطہارات، فصل الوضوء ج/ ۳، ص/ ۱۸- ۱۹

۴ صحیح مسلم، شرح النووی ۳/ ۱۰۲

قرآن و حدیث میں صفائی ستھرائی کا بکثرت ذکر ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے صفائی کو ایمان کا حصہ قرار دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ اور مسجد قباء کے ارد گرد کچھ لوگ طہارت و پاکیزگی کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ خصلت اتنی پسند آئی کہ ان کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالی نے ان کی تعریف میں ارشاد فرمایا:

﴿ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾[1]

اس میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک صاف ہوں اور اللہ پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس آیت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں طہارت اور پاکیزگی کی خود کتنی اہمیت ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ))[2]

بے شک اللہ پاک ہے اور پاک چیزوں کو پسند کرتا ہے، نظافت والا ہے اور نظافت کو پسند کرتا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلطَّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ))[3]

طہارت و پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے۔

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ))[4]

طہارت نصف ایمان ہے۔

پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے۔ شطر کا معنیٰ کسی چیز کا بڑا حصہ ہے۔ حدیث میں **شطر** کی جگہ **نصف** کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اسی وجہ سے محدثین اکرام اس حدیث کا ترجمہ پاکی نصف ایمان سے کرتے ہیں۔ الطُّهُور کا ترجمہ عام طور پر صفائی سے کیا جاتا ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ پاکی ہے اگر دیکھا جائے تو نظافت اور طہارت میں فرق ہے۔ طہارت میں نظافت اور پاکی دونوں کا مفہوم شامل ہے۔ جبکہ نظافت میں پاکی کا مفہوم ہونا ضروری نہیں۔

---

۱ سورۃ التوبۃ:۱۰۸

۲ ترمذی، محمد بن عیسی الترمذی، سنن ترمذی، مکتبہ دار الفکر بیروت:۲۷۹۹

۳ صحیح مسلم:۱۲۰

۴ سنن ترمذی:۳۵۱۹

اس حدیث کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ طہارت وپاکیزگی ایمان کا ایک لازمی جزو اور اہم شعبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اہم نصف الایمان قرار دیا ہے شریعت کے بہت سے ابواب ہیں اور ہر باب کے تحت ہزاروں احکامات ہیں۔ لیکن اپنی بے پناہ کثرت کے باوجود سب ان چار عناوین کے تحت آجاتے ہیں: طہارت، اخبات ،سماحت، عدالت گویا ان کے نزدیک شریعت کو کل چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن میں سے پہلا ایک چوتھائی حصہ صرف طہارت کو حاصل ہے۔ طہارت کی تین قسمیں ہیں۔

iv. ایک حدث سے طہارت یعنی جن حالتوں میں غسل یا وضو واجب ہے، ان حالتوں میں غسل یا وضو کر کے شرعی طہارت وپاکیزگی حاصل کرنا۔

v. دوسری قسم ہے، ظاہری نجاست اور پلیدی سے جسم، لباس اور جگہ کو پاک کرنا۔

vi. تیسری قسم ہے، جسم کے مختلف حصوں میں جو گندگیاں اور میل پیدا ہوتا رہتا ہے، اس کی صفائی کرنا، جیسے ناک، دانتوں، ناخنوں اور زائد بالوں کی صفائی ہے۔[۱]

((إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ يُحِبُّ الطَّيِّبَ نَظِيفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ))[۲]

بے شک اللہ پاک ہے اور پاک چیزوں کو پسند کرتا ہے، نظافت والا ہے اور نظافت کو پسند کرتا ہے۔

اسلام میں طہارت اور پاکیزگی کی حیثیت صرف یہی نہیں کہ یہ نماز یا دیگر عبادات کے لیے ہی لازمی شرط ہے بلکہ طہارت تو بجائے خود بھی دین کا ایک شعبہ اور بہ ذاتِ خود مطلوب ہے۔ ہر وقت طہارت اور پاکیزگی کا خیال رکھنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے قرار دیے جاتے ہیں۔

جسمانی طہارت

بیمار پر واجب ہے کہ وہ اپنے جسم کو نجاستوں اور پلیدیوں سے پاک کرے اور اگر کوئی ایسا کرنے سے معذور ہے تو وہ اُسی حالت میں ہی نماز پڑھ لے۔ اس کی نماز صحیح ہے اور عذر زائل ہو جانے کے بعد اسے نماز کو دہرانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

---

۱ الحجۃ البالغۃ، ص/ ۲۷۴

۲ سنن ترمذی: ۲۷۹۹

کپڑوں کی طہارت

بیمار کے لیے ضروری ہے کہ وہ پاک صاف کپڑوں میں نماز ادا کرے۔ اگر اس کے کپڑوں کو کوئی نجاست یا غلاظت لگ جائے تو ضروری ہے کہ انہیں دھوئے یا کپڑے بدلے اور اگر اس کے لیے یہ سب ممکن نہ ہو تو پھر وہ اسی حالت میں ہی نماز ادا کرلے۔ اسکی نماز صحیح ہے اور اس پر اعادہ کرنا بھی لازم نہیں ہے۔

جائے نماز کی طہارت

بیمار کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی پاک جگہ یا چیز پر نماز ادا کرے۔ اگر وہ جگہ یا چیز نجس و ناپاک ہو جائے تو اسے دھو کر پاک کرلے یا پھر کسی دوسری چیز کے ساتھ اسے بدل لے یا پھر اس کے اوپر کوئی پاک چیز (قالین، دری کپڑا وغیرہ) بچھالے۔ اگر ایسی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو پھر اسی جگہ نماز پڑھ لے۔ اس کی نماز صحیح ہے اور اسے اس کے اعادے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔

نماز کی پابندی

کسی بیمار کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ طہارت کے معاملہ میں معذور ہونے کی شکل میں نماز کو اس کے وقت سے موئخر کر دے۔ بلکہ اسے چاہیئے کہ بقدر امکان طہارت اختیار کرے اور نماز کو اس کے وقت پر ادا کرے چاہے اس کے بدن، کپڑے اور جگہ پر کوئی نجاست یا غلاظت ہی کیوں نہ لگی ہو کیونکہ وہ اسے صاف کرنے سے معذور ہے۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان صفائی اور ستھرائی میں ایک روشن نمونہ بن کر رہے۔ ظاہر و باطن دونوں کو صاف رکھے۔

طہارت میں رخصت کے اسباب وصورتیں

اسباب سبب کی جمع ہے سبب ایک ایسا منضبط امر ظاہر ہے کہ جس کو شریعت نے کسی حکم شرعی کے لیے علامت بنایا ہے وہی حکم شرعی مسبب کہلاتا ہے۔ سبب کے پائے جانے سے مسبب پایا جاتا ہے اور اس کے نہ پائے جانے سے مسبب نہیں پایا جاتا۔ مثلاً سورج کا ڈھلنا یعنی ظہر کی نماز کا فرض ہونا یہ مسبب ہے اس مسبب کو حکم شرعی کہتے ہیں۔[1]

مندرجہ ذیل میں اسباب کا ذکر کیا گیا ہے۔ مشقت، عدم دستیابی، آسانی پیدا کرنا، مرض کے لیے طہارت میں رخصت، طہارت میں پانی کے لیے رخصت، پانی کو جانچنے کی سہولت میں فقہاء کی آراء، غسل والے کے لیے

---

1 قاسمی، افتخار احمد قاسمی، اصلاحات اصولہ فقہ، مکتبہ جامعہ اسلامیہ کراچی: ص: ۵۲

رخصت، قضائے حاجت میں قبلہ رخ بیٹھنے کی رخصت، کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں رخصت، بچے کے پیشاب دھونے میں رخصت، زوجین کا اکھٹے غسل کرنے میں رخصت کا ذکر کیا گیا ہے۔

مشقت

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی فطرت کو خوب جانتا ہے۔ کیونکہ انسان کو بنیادی طور پر کمزور پیدا کیا گیا ہے، وہ مشکلات اور تنگیوں سے چھٹکارہ چاہتا ہے۔ رخصت اور تخفیف اس کے بندوں کی انتہائی مرغوبات میں سے ہیں۔ اس لئے اس نے مختلف حالات اور اوقات میں شریعت کے احکام کی بجا آوری کے لیے انسان کو کئی اختیارات دیے ہیں تاکہ وہ اللہ کے حکم پر اس صورت میں عمل پیرا ہوں کہ ان کے لیے آسانی اور سہولت کا راستہ بھی کھلا رہے اور ان کو مشقت کا سامنا بھی نہ کرنا پڑے۔ جیسے طہارت و پاکیزگی میں کئی سہولتیں عطا فرمادی گئی ہیں۔ اگرچہ انسان نرمی اور تخفیف کو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اوامر و نواہی میں انسانوں کے لیے تنگی و مشقت کے بجائے آسانی و سہولت اور تخفیف کو پسند فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ (۱)

اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

اس کی تفسیر میں امام الشوکانیؒ فرماتے ہیں۔ (۲)

﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ بِمَا مَرَّ مِنَ التَّرْخِيصِ لَكُمْ، أَوْ بِكُلِّ مَا فِيهِ تَخْفِيفٌ عَلَيْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسانُ ضَعِيفاً عَاجِزًا غَيْرَ قَادِرٍ عَلَى مَلْكِ نَفْسِهِ وَدَفْعِهَاعَنْ شَهَوَاتِهَاوَفَاءَبِحَقِّ التَّكْلِيفِ فَهُوَمُحْتَاجٌ مِنْ هَذِهِ الْحَيْثِيَّةِ إِلَى التَّخْفِيفِ، فَلِهَذَا أَرَادَاللَّهُ سُبْحَانَهُ التَّخْفِيفَ عَنْهُ﴾ (۳)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ اس میں تمہارے لیے رخصت و تخفیف گزر چکی ہے، جس میں تمہارے لیے تخفیف و آسانی رکھی گئی ہے۔ انسان کو اس قدر لاغر پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفس پر کنٹرول کرنے اور اپنی شہوت پر قابو رکھنے میں عاجز اور بے بس ہے۔ وہ مشقت کے ساتھ احکامات کو پورا کرے، یہ اس کے

---

۱ سورۃ النساء:۲۸

۲ (محمد بن علی بن محمد شوکانی، عرف بدر الدین الشوکانی، سنی برادری کے ممتاز علماء اور فقہاء میں سے ایک اور یمن کے بزرگ علماء میں سے ہیں، ۱۱۷۳ ہجری میں پیدا ہوئے اور صنعاء میں پلے بڑھے۔ اور ولی عہد نے سنہ ۱۲۲۹ ہجری میں گزارا اور ۱۲۵۰ ہجری میں گورنر کی حیثیت سے وفات پائی)

۳ الشوکانی، محمد بن علی بن محمد الشوکانی، فتح القدیر، دار الکلم دمشق، ۱۴۱۴ھ، ج ۱، ص / ۵۲۲

لیے ممکن نہیں ہے تو اس حیثیت میں وہ رخصت و تخفیف کا زیادہ محتاج ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے آسانی و تخفیف کا ارادہ فرمایا ہے۔

آسانی پیدا کرنا

طہارت میں بعض رخصتیں عبادت میں آسانی پیدا کرنے کے لیے رکھی گئی ہیں۔ جیسے اتنی سردی ہو کہ غسل کرنے سے جان جانے، بیمار ہونے کا اندیشہ ہو یا اگر مرض میں ٹھنڈا پانی نقصان دیتا ہو اور گرم پانی میسر نہ ہو تو تیمم کر سکتا ہے۔(۱)

سردیوں میں موزوں پر مسح کرنا یا اور زخم یا پٹی پر مسح کرنا کوئی ایسا انسان جس کو سلس البول کا مرض ہے تو وہ بھی موزوں پر مسح کرے۔ ابن قدامہؒ کہتے ہیں:

اگر مستحاضہ عورت، یا سلس البول والا انسان یا ان دونوں کی مشابہت والا انسان وضو کرنے کے بعد طہارت حاصل کر کے موزے پہن لے تو ان سب کے لیے مسح جائز ہے۔ کیونکہ وہ مجبور ہے اور مجبور کو سب سے پہلے رخصت ملنے کا حق ہے۔(۲)

مرض کے لیے طہارت میں رخصت

مریض کے لیے رخصت

اسلام نے اجازت دی ہے کہ ایسا مریض جو پانی استعمال نہیں کر سکتا، پانی کا استعمال باعث ہلاکت ہو، جان جانے کا خدشہ ہو یا بیماری بڑھ جانے کا ڈر ہو، سخت سردی ہو اور گرم پانی کا انتظام میسر نہیں تو اس صورت میں تیمم کا حکم ہے۔ یا ایسے زخم جس سے پانی لگنے کا خطرہ ہو تو اس پر مسح کیا جا سکتا ہے۔ یا ایسا انسان جس کے جسم میں زخم یا چیچک نکلی ہو تو وہ تیمم کرے، اگر تیمم نہیں کر سکتا تو مسح کر لے۔(۳)

((احتلمت في ليلة باردة في غزوة ذات السلاسل فاشفقت إن اغتسلت ان اهلك، فتيممت ثم صليت باصحابي الصبح، فذكروا ذلك للنبي ﷺ، فقال: يا عمرو، صليت باصحابك وانت جنب؟ فاخبرته بالذي منعني من الاغتسال،

۱الشوکانی، محمد بن علی بن محمد الشوکانی، فتح القدیر، دار الکلم دمشق، ۱۴۱۴ھ، ج۱، ص/ ۵۲۲

۲ المقدسي ،عبد الله بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي،المغنى ، سنة النشر: ۱۴۱۷، /۱۷۴

۳ابو عبد اللہ، الفتاوی الھندیۃ، کتاب الطہارۃ، باب الرابع فی التیمم، الفصل الأول، ج ا/، ص/ ۲۸

وقلت: إني سمعت الله، يقول: ولا تقتلوا انفسكم إن الله كان بكم رحيما [۱]
فضحك رسول اللهﷺ ولم يقل شيئا۔))[۲]

حضرت عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے کہ مجھے غزوہ ذات السلاسل [۳] میں ایک ٹھنڈی رات میں احتلام ہو گیا، مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے ٹھنڈے پانی سے غسل کر لیا تو میں ہلاک ہو جاؤں گا تو میں نے تیمم کر لیا اور اپنے ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ میرے ساتھیوں نے رسول ﷺ کو یہ سارا معاملہ بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: عمرو! تم نے جنابت کی حالت میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی؟ میں نے آپ ﷺ کو غسل نہ کرنے کا سبب بتایا اور کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے کہ ﴿ ولا تقتلوا أنفسكم إن الله كان بكم رحيما ﴾ (تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو بیشک اللہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔) یہ سن کر آپ ﷺ ہنسے اور آپ ﷺ نے کچھ نہیں کہا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سردی کی بنا پر اگر پانی استعمال کرنے سے جان جانے کا خدشہ ہو تو تیمم کیا جا سکتا ہے اور تیمم والا شخص امامت بھی کروا سکتا ہے۔

فقہاء کی آراء

مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں جو پانی کے استعمال سے عاجز ہو خواہ سفر میں ہو یا حضر میں تو اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے اور اگر پانی کے استعمال سے اپنی جان یا کسی عضو کو کوئی مرض لاحق ہونے ہونے کا اندیشہ ہو یا پانی کے استعمال کرنے سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو تو مالکیہ اور شوافع کے ہاں وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو اور حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں وہ مسلمان ہو تو اس صورت میں تیمم کیا جا سکتا ہے۔ حنابلہ مزید یہ فرماتے ہیں کہ ظاہری عضو پر کسی واضح عیب کے ہو جانے کا خطرہ بھی تیمم کا جواز کا سبب بن سکتا ہے کیونکہ وہ عیب انسان کی ظاہری شکل وصورت کو بدنما کرنے کا سبب بنتا ہے اور اس کا ضرر ہمیشہ رہتا ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں جو مریض ہو اور ہلنے جلنے کی طاقت نہ ہو اور کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو اس کو وضو کروا دے تو وقت کے فوت ہونے کی صورت میں وہ تیمم کر سکتا ہے۔ [۴]

---

۱ سورۃ النساء:۲۹

۲ السجستانی ، ابو داؤد سلیمان بن السجستانی، سنن ابی داؤد، المکتبہ العصریہ بیرت، الطہارۃ، باب اذا خاف: ۳۳۴

۳ یہ وہ غزوہ ہے جو قبائل لخم وجذام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اسے اسماعیل بن خالد نے اور ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔ ان سے یزید نے اور ان سے عروہ نے کہ ذات السلاسل، قبائل بلی، عذرہ اور بنی القین کو کہتے ہیں۔

۴ الزحیلی، ھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الاشاعت کراچی، ج:۱، ص:۳۸۵ - ۳۸۰

طہارت میں پانی کے لیے رخصت

استنجاء کرنے میں رخصت

پانی میسر ہو تو اس کے ساتھ استنجا کرنا چاہیے۔ اسلام نے آسانی دی ہے کہ اگر پانی میسر نہ ہو تو ڈھیلے سے استنجا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن مٹی پاک ہو اور تین سے کم نہ ہوں۔ [۱] اگر کوئی ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی استعمال کرلے تو اچھا عمل ہے۔ لیکن واجب نہیں ہے۔ آج کل ڈھیلے کے بدلے رومال استعمال ہوتا ہے اس کا وہی حکم ہو گا جو ڈھیلوں کا ہے۔

فقہاء کی آراء

فقہاء نے استنجاء کے باب میں درج بالا الفاظ ذکر کیے ہیں:

انقاء کا معنی ہے صفائی [۲]

تثلیث (تین پتھروں کا استعمال)

ایتار (طاق عدد)

ابو ثور، اصحاب ظواہر، امام شافعیؒ و امام احمدؒ کے ہاں انقاء (صفائی) اور تثلیث (تین پتھروں کا استعمال) واجب اور ایتار (طاق عدد) مستحب ہے۔ امام مالکؒ و امام ابو حنیفہؒ کے ہاں انقاء واجب تثلیث سنت اور ایتار مستحب ہے۔ پانی سے استنجاء کرنے میں متفق علیہ قول یہ ہے کہ اس میں رائے مبتلا بہ کا اعتبار ہے۔ [۳]

پانی کی عدم دستیابی

پانی کی عدم دستیابی یا استعمال نہ کرسکنے کی صورت میں شریعت نے مٹی کو پانی کے مقام پر قرار دیا ہے، جیسے کپڑے پاک کرنے کے لیے اگر پانی دستیاب نہ ہو تو اس کی پاکی کا ذریعہ بھی مٹی ہے ،یعنی کپڑے کے جس حصے پر نجاست لگی ہو اسے مٹی پر اچھی طرح رگڑ لیا جائے، یہاں تک کے ظاہری طور پر نجاست اور اس کے اثرات نظر نہ آئیں تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔

---

۱ صحیح بخاری الوضوء باب استنجاء بروث ۱۵۶- ۱۵۲

۲ صحیح بخاری الوضوء باب استنجاء بروث ۱۵۶- ۱۵۲

۳ الفقہ الاسلامی، ج/۱، ص/۲۴۷

پانی کی عدم دستیابی یا استعمال نہ کرسکنے کی صورت میں اگر پانی کا استعمال نقصان دہ ہو، غسل یا وضو کے لیے پانی نہ ملنے کی صورت میں یا پانی کا ملنا مشکل ہو تو اس کے لیے تیمم رکھا گیا ہے۔ پاک مٹی سے اسی طرح طہارت حاصل کی جاسکتی ہے جیسے پانی سے طہارت حاصل کی جاتی ہے۔لہٰذا یہاں اسلام نے رخصت دی ہے کہ انسان مٹی سے تیمم کر سکتا ہے تاکہ وہ پاک ہو جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ [1]

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھولو، اپنے سروں پر مسح کرو، اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھولو، اور اگر تم ناپاک ہو تو نہالو، اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا کوئی تم میں سے جائے ضرور (رفع حاجت) سے آیا ہو یا عورتوں کے پاس گئے ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرلو اور اسے اپنے مونہوں اور ہاتھوں پر مل لو اللہ تم پر تنگی نہیں کرنا چاہتا بلکہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے، تاکہ اپنا احسان تم پر پورا کرے، اور تم شکر کرو۔

فقہاء کی آراء

شوافع کے نزدیک پانی نہ ملنے کا یقین ہو تو بغیر تلاش کے تیمم کرے اور اگر ملنے کا خیال، گمان یا شک ہو تو ۴۰۰ ذراع تک پانی تلاش کرے نہ ملنے پر تیمم کرے۔ احناف صرف اس بات پر اکتفاء کرتے ہیں کہ اگر اس شخص کو امن کے ساتھ پانی ملنے کا امکان ہو تو ۴۰۰ قدم تک پانی تلاش کرے پھر بھی نہ پائے تو تیمم کرے۔ اور اگر پانی ملنے کا یقین ہو تو اتنی مسافت میں تلاش کرے جو (حد القرب)[2] ہو جس کا اندازہ موجودہ دور کے لحاظ سے چھ ہزار فٹ (قدم) کی مقدار بنتی ہے۔ مالکیہ فرماتے ہیں اگر یقین یا گمان ہو تو دو میل سے کم مسافت پر تلاش کرے۔ حنابلہ

---

[1] سورۃ المائدۃ:۶

[2] حد القرب والبعد. وروي عن محمّد رحمه الله أنه إذا كان بينه وبين الماء دون ميل لا يجزئه التيمم ويكون قريباً وإن كان ميلاً أو أكثر أجزأه التيمم لكونه بعيداً، والميل ثلث فرسخ)

فرماتے ہیں کہ اتنی مسافت پر تلاش کرے جو عادۃ قریب شمار ہوتی ہو۔ شوافع کے نزدیک یہ حکم اس وقت ہے جب اس شخص کو جان، مال اور رفقاء سے کٹ جانے کا خطرہ نہ ہو۔[۱]

تیمم کی رخصت

((الصعید الطیب وضوء المسلم ولوالیٰ عشرسنین))[۲]

پاک مٹی مسلمان کے لئے طہارت کا ذریعہ ہے اگرچہ دس سال تک اسے پانی نہ ملے۔

طہارت کا طریقہ

مریض یا بیمار کیلئے واجب ہے کہ وہ بھی پانی سے طہارت حاصل کرے۔ حدث اصغر کی صورت میں وضوء کرے اور حدث اکبر کی شکل میں غسل کرے۔ اگر وہ پانی سے طہارت حاصل کرنے سے معذور ہو یا مرض کے بڑھ جانے کا خدشہ ہو یا شفاء کے مؤخّر ہو جانے کا خطرہ ہو تو وہ تیمّم کرلے۔

تیمم کا طریقہ

پاک مٹی پر دونوں ہاتھ صرف ایک ہی مرتبہ مارے، اور ان کے ساتھ اپنے پورے چہرے کو مَل لے اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مَل لے۔ اگر وہ خود طہارت نہ کر سکتا ہو تو اسے کوئی دوسرا شخص وضوء یا تیمّم کروادے۔ اگر بعض اعضاء طہارت زخمی ہوں تو انھیں پانی سے دھوئے۔ لیکن اگر پانی سے دھونا نقصان دہ ہو تو ان پر مسح کرلے۔ اپنا ہاتھ گیلا کرلے اور انکے اوپر سے گزاردے اور اگر مسح کرنا بھی نقصان دہ ہو تو وہ انکا تیمّم کرلے۔

بندہ وضو یا غسل کی نیت کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھ کر دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی پر مارے پھر ہاتھوں پر پھونک مار کر دونوں ہاتھوں کو پہلے منہ پر پھیرے پھر ہاتھوں پر پھونک کر دونوں ہاتھوں کو پہلے منہ پر پھرے پھر دائیں ہاتھ کے ساتھ بائیں پر اور بائیں ہاتھ سے دائیں پر مسح کرے، یا پہلے دونوں ہاتھوں کس مسح کرے پھر منہ کا مسح کرے دونوں طرح درست ہے۔[۳]

---

۱ الفقہ الاسلامی، ج/۱، ص/۳۸۴

۲ سنن ابی داوٗد، الطہارۃ، باب الجنب یتیم: ۳۳۲

۳ صحیح بخاری، التیمم ، باب المتیمم ھل ینفخ فی ھا :۳۳۸

فقہاء کی آراء

فقہاء نے تیمم کے طریقے کے بارے میں دو آراء بیان کی ہیں۔

i. احناف و شوافع فرماتے ہیں کہ تیمم دو دفعہ ہاتھ مارنے کا نام ہے۔ایک مرتبہ ہاتھ مارنا چہرے پر ملنے کے لیے اور دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں پر کہنیوں تک ملنے کے لیے۔[1]

ii. مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ واجب تیمم صرف ایک مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارنے کا نام ہے جس کو انگلی کے اندرونی حصے اور اور چہرے پر پھیر لے اور ہتھیلیوں کو وہ اپنے ہاتھوں پر (گٹوں تک) پھیر لے۔[2]

پانی کو جانچنے کی سہولت میں فقہاء کی آراء

پانی ہمیشہ طاہر اور مطہر ہوتا ہے۔لیکن اگر اس میں نجاست گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔اسلام نے بطور سہولت ایک آسان قاعدہ بنا دیا ہے۔کہ اگر پانی زیادہ ہو یا تھوڑا اگر اس میں نجاست گر گئی اور اس کا رنگ ،بو ،ذائقہ تبدیل نہیں ہوا تو وہ پاک ہے۔

((إِنَّ الْمَاءَ لَا يُنَجِّسُهُ شَيْءٌ، إِلَّا مَا غَلَبَ عَلَى رِيحِهِ وَطَعْمِهِ وَلَوْنِهِ))[3]

بلاشبہ پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی الا کہ پانی پر اس ناپاک چیز کی بو، ذائقہ اور رنگ غالب نہ ہو جائے۔

فقہاء کی آراء

داؤد ظاہری کا مسلک ہے کہ پانی وقوع نجاست سے اس وقت تک ناپاک نہیں ہوتا جب تک پانی کی طبیعت (رقت و سیلان) نہ بدلے۔امام مالکؒ کہتے ہیں کہ جب تک اوصاف (رنگ ، بو، ذائقہ) متغیر نہ ہو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔امام احمدؒ، امام شافعیؒ اور احناف کہتے ہیں کہ ماء قلیل وقوع نجاست سے ناپاک ہوتا ہے اور ماء کثیر ناپاک نہیں ہوتا۔احناف اور شوافع و حنابلہ کے درمیان ماء قلیل و کثیر کی تعریف میں اختلاف ہے شوافع کے نزدیک ماء قلیل وہ ہوتا ہے جو (ما دون القلتين) ہو اور ماء کثیر وہ ہوتا ہے جو قلتین یا اس سے زیادہ ہو۔

"ظاہریہ" کے علاوہ دیگر تمام فقہاء و محدثین کے نزدیک پانی میں اگر کوئی نجاست گر جائے تو اگر وہ پانی کثیر ہے تو ناپاک نہیں ہو گا اور اگر پانی قلیل ہے تو ناپاک ہو جائے گا البتہ پانی کے کثیر یا قلیل ہونے کی تحدید میں ائمہ کا

---

1 بدائع الصنائع ،ج/۱،ص/۴۶

2 المغنی:ج/۱،ص/۲۴۴

3 القزوینی، محمد بن یزید ابن ماجہ، مترجم، عطاء اللہ محمد ساجد ابن ماجۃ الطہارۃ، باب الحیاض، ۵۲ الضیعفۃ: ۲۶۴۴

اختلاف ہے، جس میں امام شافعیؒ اور بعض روایت کے مطابق امام احمدؒ کے نزدیک بھی قلتین کی مقدار کثیر ہے اور اس سے کم قلیل ہے، "قلہ" مشہور معنی کے مطابق مٹکہ کو کہتے ہیں اور مٹکہ سے مراد بھی وہ مٹکہ جس میں پانی بھر کر لایا جاتا ہو، اس کی مقدار کے بارے میں منقول ہے کہ یہ پانچ مشکیں پانی ہوتا ہے، جس کی مقدار پانچ سو رطل بنتی ہے، جو دو سو تین (۲۰۳) کلو بنتا ہے، ان کے نزدیک یہ ماءِ کثیر ہے اور چاروں طرف سے سوا سوا ہاتھ حوض ان کے نزدیک حوض کا ادنی درجہ ہے۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں: "دو مٹکے کسی ہموار زمین پر ہو تو وہ عموماً سات بالش لمبا اور پانچ بالشت چوڑا ہوتا ہے، (۳۵=5x7 بالشت مربع، اور بالشت ۹ انچ کا ہوتا ہے) یہ ان کے (شوافع اور حنابلہ) نزدیک حوض کا ادنی درجہ ہے۔[1]

مستعمل پانی کے استعمال میں رخصت

استعمال شدہ پانی (وضو، غسل یا کسی اور ازالہ نجاست کے بعد بچا ہوا پانی) فقہاء نے اس کے طاہر و مطہر ہونے میں بہت زیادہ اختلاف کیا ہے۔ لیکن درست بات یہ ہے کہ اسلام نے آسانی دی ہے کہ ماء مستعمل کو دوبارہ طہارت کے حصول کے لیے استعمال کرنا جائز قرار دیا ہے۔ جیسے آپ ﷺ کے پاس وضو کے لیے پانی لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس طرح اس پانی سے وضو کیا۔[2]

فقہاء کی آراء

احناف کے نزدیک ماء مستعمل طاہر ہے مطہر نہیں (یعنی خود پاک ہے اور دوسرے کو پاک نہیں کر سکتا) یعنی وضو وغیرہ اس سے دوبارہ نہیں کیا جا سکتا تاہم کپڑے اور بدن کی نجاست اس سے دور کی جا سکتی ہے۔ مالکیہ کا بھی یہی قول ہے مگر وہ رفع حدث کے لئے اس پانی کے استعمال کرنے کو مکروہ کہتے ہیں۔ حنابلہ و شوافع کے نزدیک نہ اس پانی سے وضو یا غسل درست ہے اور نہ ہی نجاست اس کے ذریعے سے زائل ہو گی۔[3]

غسل والے کے لیے رخصت

اگر کسی پر غسل واجب ہو اور پانی میسر نہ ہو یا پانی استعمال نہیں کر سکتا تو اسلام نے آسانی دی ہے کہ وہ تیمم کر لے۔ حضرت عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے، آپ ﷺ نے لوگوں

---

۱ ابن رشد، بدایہ المجتہد ونہایۃ المقتصد: ص:۶۹-۷۱

۲ النسائی، ابی عبد الرحمٰن بن شعیب النسائی، السنن الکبری، دارالکتب علمیہ بیروت البنان الجزو الاول، ص ۱۱۶۔

۳ الفقہ الاسلامی وادلتہ: ج/۱، ص/۲۰۰

کو نماز پڑھائی ایک آدمی جماعت سے الگ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے کہا تمہیں کس چیز نے نماز سے روکے رکھا؟ اس نے کہا کہ مجھے حالت جنابت لاحق ہے اور پانی بھی میسر نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ))(۱)

تم مٹی کو لازم پکڑو یعنی تیمم کر لو بلاشبہ یہ تمہیں کفایت کر جائے گی۔

فقہاء کی آراء

جس پر غسل واجب ہو اس کے لئے جواز تیمم پر علماء وفقہاء کا اتفاق ہے البتہ قرن اول میں اس کے بارے میں قدرے اختلاف تھا کہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ سے جنبی کے لئے عدم جواز کا قول مروی تھا جیسا کہ بخاری کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے لیکن بخاری ہی کی روایات میں ان کا رجوع بھی ثابت ہے۔ بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول مروی ہے کہ اگر ہم جنبی کو اجازت تیمم دے دیں تو معمولی سردی سے بھی وہ غسل سے اجتناب کرے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عارض کی وجہ سے جواز کا اعلان نہ فرماتے تھے۔ لہذا اب یہ اجماعی مسئلہ ہو گیا۔

زمین پاک کرنے کا آسان طریقہ

اگر نجاست مائع ہے تو اس پر پانی بہا دینے سے زمین پاک ہو جائے گی اور اگر ٹھوس ہے تو گندگی کو ہٹا دیا جائے گا اور اگر تر ہے تو زمین کو صاف کیا جائے اور اگر خشک ہے تو اس کا خشک ہونا ہی پاک ہونا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تو لوگ اس کی طرف اٹھے تا کہ اس وجہ سے اسے ڈانٹیں اور ملامت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا :

((دعوه وأريقوا على بوله سَجْلاً من ماء، أو ذَنُوبًا من ماء، فإنما بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ، ولم تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ))(۲)

اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب والی جگہ پر پانی کا ڈول بہا دو اس لیے کہ تمہیں تو صرف آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا گیا سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

---

۱ البخاری، صحیح بخاری، التیمم، باب الصعید الطیب وضوء المسلم: ۳۴۸

۲ صحیح بخاری، الوضوء باب صب الماء علی البول فی المسجد: ۲۱۴

فقہاء کی آراء

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ زمین کی تطہیر صرف پانی بہانے سے ہو گی۔احناف کا مسلک یہ ہے کہ پانی بہانے کے علاوہ زمین کو کھودنا اور زمین کا خشک ہو جانا اس سے بھی زمین پاک ہو جاتی ہے۔یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

قضائے حاجت میں قبلہ رخ بیٹھنے کی رخصت

قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا منع ہے۔(۱)

اسلام نے یہاں رخصت دی ہے کہ اگر لیٹرین وغیرہ ایسی بنی ہو جس کا فلش کا رخ قبلہ کی طرف ہو عمارتوں میں ہو تو جائز ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت حفصہؓ کی چھت پر چڑھا تو میں نے آپ ﷺ کو شام کی طرف منہ اور کعبہ کی طرف پشت کر کے قضائے حاجت کرتے ہوئے دیکھا۔(۲)

مروان اصغرؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو دیکھا کہ انہوں نے قبلے کی جانب اپنی سواری کو بٹھایا اور پھر اس کی طرف پیشاب کرنے لگے تو میں نے کہا اے عبدالرحمٰن ! کیا اس سے منع نہیں کیا گیا؟ تو انہوں نے فرمایا! کیوں نہیں ! إنما نهي عن ذلك في الفضاء، فإذا كان بينك وبين القبلة شيء يسترك "اس عمل سے صرف فضاء میں منع نہیں کیا گیا ہے اور جب تمہارے اور قبلے کے درمیان اوٹ حائل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(۳)

فقہاء کی آراء

عبد اللہ بن مسعودؓ، امام مجاہد، ابراہیم نخعی، طرفین اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف استقبال اور استدبار دونوں جائز نہیں۔حضرت عائشہؓ عروہ اور ربیعۃ الرائے کے ہاں مطلقا جائز ہے۔حضرت ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ صحراء میں دونوں جائز نہیں جبکہ آبادی میں دونوں جائز ہیں۔جبکہ اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ استقبال مطلقا ناجائز اور استدبار مطلقا جائز ہے۔امام ابو حنیفہؒ سے ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں مکروہ تنزیہی ہیں۔

---

۱ صحیح بخاری: ۳۹۴

۲ صحیح بخاری، الوضوء باب من تبرز علی۔۔۱۴۵

۳ ابو داؤد الطہارۃ، باب الرخصۃ فی ذلک: ۱۱

کھڑے ہو کے پیشاب کرنے میں رخصت

آپ ﷺ کا عام معمول بیٹھ کر پیشاب کرنے کا تھا۔ لیکن ایک بار آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا اگر آج بھی کوئی ضرورت یا مجبوری ہو تو کھڑے ہو کر پیشاب کیا جا سکتا ہے۔

((عن حذیفة، قال: "اتی النبي ﷺ سباطة قوم فبال قائما، ثم دعا بماء فجئته بماء فتوضا)) [۱]

سیدنا حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کسی قوم کی کوڑا خانہ پر تشریف لائے۔ پس آپ ﷺ نے وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

دلیل:

عذر و مجبوری کی صورت میں کھڑے ہو کر پیشاب کر سکتے ہیں، باقی عام حالات میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ عذر و مجبوری یہ ہے کہ مثلاً کمر درد یا پیروں میں پھوڑا، پھنسی وغیرہ کی وجہ سے بیٹھنا ممکن نہ ہو یا پیشاب کی جگہ بہت زیادہ گندگی ہو اور بیٹھنے کی صورت میں کپڑے وغیرہ ناپاک ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ اور انگریزی ٹوائلٹ میں اگر سیٹ کو پانی ڈال کر اچھی طرح پاک وصاف کر لیا جائے اور ٹشو سے خشک کر دیا جائے تو اس پر بیٹھ کر پیشاب کر سکتے ہیں اس لیے انگریزی ٹوائلٹ میں بھی بیٹھ کر پیشاب کرنا چاہیے البتہ اگر کسی انگریزی ٹوائلٹ میں کوئی عذر و مجبوری کی صورت ہو تو وہاں بھی عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں کچھ مضائقہ نہ ہو گا۔ [۲]

فقہاء کی آراء

سعید ابن مسیبؒ، عروہ بن زبیر اور احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اصحاب ظواہر کے ہاں حرام ہے، جبکہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر چھینٹے پڑنے کا اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے۔ جمہور کے نزدیک بلا عذر مکروہ تنزیہی ہے۔

بچے کے پیشاب دھونے میں رخصت

آدمی کا پیشاب نجس اور ناپاک کر دینے والا جس کو دھونا بہت ضروری ہے لیکن اسلام نے چھوٹے بچے جو بار بار پیشاب کر دیتے ہیں ان کے متعلق سہولت اور آسانی دی ہے کہ جو بچے دودھ پیتے ہیں ان کی خوراک صرف

---

۱ صحیح بخاری الوضوء باب البول قائما و قاعدا: ۲۲۴

2 رد المختار، کتاب الطهارة، باب الأنجاس، فصل الاستنجاء، ۱/ ۵۵۷

دودھ ہے اگر لیٹر کا دودھ پینے کی عمر میں پیشاب کر دے تو اس پر پانی کے صرف چھینٹے ہی مار لیے جائیں تو کافی ہیں دھونے کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((يغسل من بول الجارية ويرش من بول الغلام))(۱)

لڑکی کے پیشاب سے آلودہ کپڑا دھویا جائے گا اور لڑکے کے پیشاب سے آلودہ کپڑے پر پانی کی چھینٹیں ماری جائیں گی۔

حضرت ام قیس بن محصنؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو لے کر جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا آپ ﷺ کے پاس لے کر آئیں اس بچے نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا تو آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اس کپڑے پر پانی کی چھینٹیں ماریں اور اس کو دھویا نہیں۔(۲)

فقہاء کی آراء

فقہاء نے بچے اور بچی کے پیشاب کے پاک ہونے میں درج ذیل آراء بیان کی ہیں:

احناف اور مالکیہ کہتے ہیں کہ بچی اور بچے دونوں کا پیشاب اور قے دونوں ناپاک ہیں۔ اور ان کا دھونا واجب ہے۔ ان حضرات کی دلیل وہ عمومی احادیث ہیں جن میں پیشاب سے بچنے کا حکم ہے جیسے پیشاب سے بچو کہ وہ قبر کا عذاب عام طور پر اس کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مالکیہ نے یہ تخفیف فرمائی ہے کہ دودھ پلانے والی عورت کے کپڑوں اور جسم پر لگ جانے والا پیشاب و پاخانہ معاف ہے۔ وہ عورت ماں ہو یا کوئی اور عورت ہو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ نجاست کو دور کرنے والی ہو اور بے احتیاطی نہ کرنے والی ہو۔ اگر پیشاب و پاخانہ زیادہ لگ جائے تو اس صورت میں اس نجاست کا دھونا مستحب ہے۔

شوافع اور حنابلہ کہتے ہیں کہ بچہ دو سال سے کم کا ہو اور دودھ کے علاوہ کچھ نہ لیتا ہو اس کے پیشاب اور قے سے ناپاک شدہ چیز پر صرف پانی کا چھڑکاؤ کافی ہے۔(۳)

داؤد ظاہری کے نزدیک بول صبی پاک ہے جبکہ جمہور کے نزدیک ناپاک ہے۔ پھر جمہور میں بول صبی کے طریق تطہیر میں اختلاف ہے شوافع، حنابلہ کہتے ہیں بول صبی میں نضح (پانی چھڑکنا) کافی ہے جبکہ بول جاریہ میں غسل ضروری ہے۔ احناف، مالکیہ کہتے ہیں کہ بول صبی میں غسل خفیف ضروری ہے۔

---

۱ سنن ابی داؤد، الطہارۃ، باب بول الصبی یصب الثوب: ۳۷۶

۲ صحیح بخاری، الوضوء باب بول الصبیان: ۲۲۳

۳ وھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج:۱، ص ۲۲۱-۲۲

زوجین کا اکھٹے غسل کرنے میں رخصت

اسی طرح وقت، جگہ یا پانی کی قلت کی وجہ سے یا دیگر اسباب کے باعث یا کسی اور سبب کے باعث سے اگر میاں بیوی اکھٹے غسل کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

((عن عائشةؓ قالت كنت أغتسل أنا والنبي، ﷺ من إناء واحد تختلف أيدينا فيه))(۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور آپ ﷺ اکھٹے ایک برتن سے اس طرح غسل کرتے کہ ہمارے ہاتھ باری باری اس میں پڑتے تھے۔

((عَائِشَةَ ؓقَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَوَضَّأُ بَعْدَ الْغُسْلِ))(۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ غسل کے بعد وضو نہیں فرماتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسنون غسل کی ابتداہی وضو سے ہوتی ہے۔ اگرچہ غسل کے بعد وضو کی کوئی ضرورت نہیں رہتی لیکن شرط یہ ہے کہ اس نے وضو کے بعد دوران غسل میں اگلی اور پچھلی شرم گاہ کو ہاتھ نہ لگایا ہو ورنہ وضو دوبارہ کرنا پڑے گا۔ اوراسی طرح اگر اس نے مسنون غسل نہ کیا ہو یعنی غسل کی ابتداہی وضو سے نہ کی ہو تو تب بھی اسے غسل کے بعد وضو کرنا پڑے گا۔ صحیح بخاری میں آتا ہے کہ

((فجعل الناس يأخذون من فضل وضوئه فيتمسحون به)) (۳)

لوگوں کی یہ حالت تھی کہ وہ آپ ﷺ کے وضو کے بچے ہوئے پانی کو حاصل کر کے اسے اپنے جسموں پر لگاتے تھے۔

یہاں بات قابل ذکر رہے کہ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ ﷺ کا استعمال ہونے والا پانی پاک تھا۔ اور عام آدمی کا وضوء والا پانی بھی پاک نہیں ہوتا۔

ذخیرہ احادیث میں شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے دونوں طرح کی احادیث موجود ہونے کے سبب اس مسئلہ میں اہل علم کے ہاں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ شرمگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹنے

---

۱ صحیح بخاری، الغسل، باب ھل یدخل یدی فی: ۲۶۱

۲ سنن النسائی، الطھارۃ، باب ترک الوضوء من بعد الغسل: ۲۵۳

۳ صحیح بخاری کتاب الوضو، باب استعمال فضل وضوء الناس: ۱۸۱

کے قائل ہیں۔ امامِ ابو حنیفہ ؒ کے نزدیک شر مگاہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا جبکہ امام مالک ؒ کی طرف منسوب قول کے مطابق شر مگاہ کا چھونا اگر شہوت کے ساتھ ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر شہوت کے بغیر ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ کچھ علماء شر مگاہ کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کے قائل تو نہیں تاہم وہ دوبارہ وضو کرنے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

بہر حال ائمہ احناف کے نزدیک محض شر مگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جن احادیث میں شر مگاہ کو ہاتھ لگانے کے بعد وضو کرنے کا ذکر ہے اس سے وہ لغوی وضو یعنی ہاتھ دھونا مراد لیتے ہیں۔ فتاوی شامی میں ہے:

لا ينقضه (مس ذكر) لكن يغسل يده ندباً.

عضو تناسل کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن ایسا کرنے کے بعد ہاتھ دھونا مستحب ہے۔ (۱)

لہٰذا شر مگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، حدیث میں وضو کا حکم یا تو استحباب کے طور پر ہے یا لغوی وضو یعنی ہاتھ دھونے پر محمول ہے۔

آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ نے ایک برتن میں غسل کیا پھر آپ ﷺ نے اس برتن سے وضو یا غسل کرنے کے لیے آئے تو انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ بلاشبہ میں تو جنبی تھی میں نے اس سے غسل کیا ہے تو آپ اس سے غسل یا وضو نہ کریں تو آپ ﷺ نے کہا ان الماء لا ینجب بلاشبہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ (۲)

آپ ﷺ نے حضرت میمونہ ؓ کے بچے ہوئے پانی سے غسل کیا۔

اس حدیث میں میاں بیوی کا ایک ساتھ غسل کرنا، اور ایک برتن میں پانی سے غسل کرنا جائز قرار دیا ہے۔ اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ اکثر ایک برتن میں غسل کر لیتے تھے۔

طہارت کی حکمتیں

اگر کپڑوں پر نجاست یا منی لگی ہو اور خشک ہو گئی ہو تو اس کو بغیر دھوئے اس کو کھرچ کر صاف کر لیا جائے۔ اور اس سے عبادت کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ منی کے پاک ہونے کے بارے میں مختلف آراء ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔

پاک کپڑے پہننے کے بعد اگر کپڑوں میں کوئی نجاست نہیں لگتی ہے تو بلاشبہ کپڑے علی حالہ پاک رہیں گے اور اگر نجاست لگ جاتی ہے تو نجاست لگنے کی جگہ ناپاک ہو جائے گی لیکن اس جگہ کو پاک کر لینے سے کپڑا پھر پاک ہو جائے گا۔

---

۱ رد المحتار علی الدر المختار، ۱: ۱۴۷

۲ سنن ابی داؤد، الطہارۃ، باب الماء لا یجنب: ۶۸

شہوت کے ساتھ اچھلے بغیر لیس دار نکلنے والا کسی قدر گاڑھا شفاف پانی مذی کہلاتا ہے اس کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا ہے غسل کا وجوب صرف اسی صورت میں ہوتا ہے جب کہ شہوت کے ساتھ اچھل کر منی کا خروج ہو البتہ منی اور مذی دونوں بذات خود نجس ہیں یہ جس جگہ پر لگ جائیں اُس کو دھونا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ کے جسم سے نکلنے والا پانی منی نہیں اور شہوت کے ساتھ اچھل کر نہیں نکلتا تو اس کی وجہ سے آپ پر غسل فرض نہیں ہوگا صرف وضو کرکے، اور نجاست لگنے کی جگہ کو دھو کر نماز پڑھنا درست ہے۔

جس طرح بالغ مرد و عورت کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے اسی طرح نابالغ بچوں کا پیشاب بھی نجاست غلیظہ ہے لہٰذا دونوں سے پاکی حاصل کرنے کا طریقہ بھی ایک ہی ہے۔ شہوت کے ساتھ بوسہ لینے سے اگر منی کا خروج نہ ہو، بلکہ مذی کا خروج ہو، تو غسل واجب نہیں ہوگا۔

ناپاک کپڑوں میں لگی ہوئی نجاست کا اثر اگر پاک بدن پر ظاہر ہو جائے تو بھی غسل واجب نہیں ہوگا صرف اس جگہ کو دھولینا کافی ہوگا جہاں نجاست لگی ہے اور اگر نجاست کا اثر بدن پر ظاہر ہی نہ ہو تو بدن علی حالہ پاک رہے گا۔ ۔[۱]

وضو کے لیے پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کا حکم دیا گیا ہے۔ حکمت یہ رکھی گئی ہے کہ فرض کی ادائیگی مکمل ہو جائے گی۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ مشقت سے نکالنے کے لیے غسل فرض ہونے کی صورت میں اگر پانی نہ ملے تو اس کی جگہ تیمم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور دوسری حکمت یہ ہے کہ عبادت بھی ادا ہو جائے۔

پٹی یا زخم ہونے کی صورت میں مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ زخم کو پانی لگنے سے تکلیف نہ ہو اور زخم خراب ہونے سے بچ جائے۔

اسلام نے آسانی دی ہے کہ اگر پانی میسر نہ ہو تو ڈھیلے سے استنجا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مٹی پاک ہو اور تین سے کم نہ ہوں۔[۲]

اگر کوئی ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد پانی استعمال کرلے تو اچھا عمل ہے۔ لیکن واجب نہیں ہے۔ آج کل ڈھیلے کے بدلے رومال استعمال ہوتا ہے اس کا وہی حکم ہوگا جو ڈھیلوں کا ہے۔

---

۱ دارالافتاء، فتویٰ: 325-16T/H=3/1440

۲ صحیح بخاری الوضوء باب استنجاء بروث ۱/۵۶

پانی ہمیشہ طاہر اور مطہر ہوتا ہے۔ اگر اس میں نجاست گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ اسلام نے سہولت کا ایک آسان قاعدہ بنا دیا ہے کہ اگر پانی زیادہ ہو یا تھوڑا اگر اس میں نجاست گر گئی ہو اور اس کا رنگ، بو، ذائقہ تبدیل نہیں ہوا تو وہ پاک ہے۔

تمام عبادات کے لیے طہارت و پاکیزگی بہت ضروری ہے۔ اس نے اپنے اپنانے والوں کے لیے ہر اس جگہ پر جہاں اس پر مشقت تھی آسانی اور رخصت دی ہے تاکہ اسے طہارت، پاکیزگی، دینی و دنیوی معاملات کو سرانجام دینے میں مشکلات پیش نہ آئیں۔

شریعت نے جن امور میں رخصت و تخفیف رکھی ہے ان امور سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر خاص کرم ہے۔ چند لوگ تھوڑے سے تقویٰ کے حصول کی خاطر اسلام کی طرف سے دی ہوئی رخصتوں کو قبول کرنے کی بجائے، خود کو بے وجہ پابندیوں اور بندشوں میں جکڑ لیتے ہیں۔ جو اسلامیہ شریعہ کی اور سہولتوں وسعتوں کے منافی ہے۔ جس طرح شریعت کے امور میں عزیمت اور مشقت اللہ کی منشاء ہے بالکل اسی طرح رخصت اور تخفیف بھی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ہیں، کسی پر استطاعت و قدرت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا گیا۔ ایک مسلمان کی کامیابی و کامرانی اسی میں ہی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اعتدال اور توازن سے کام لے۔

فصل ثانی:

طہارت میں تخفیف کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں

طہارت میں تخفیف کے اسباب وصورتیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر آسانی کی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کی دی ہوئی سہولتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے مسافر ومقیم کے لیے موزوں، پگڑیوں پر مسح کرنا مشروع قرار دیا ہے تاکہ وضو کرنے والے اس مشقت ودشواریوں سے بچ سکیں، کیونکہ اللہ نے اس دین کو آسانی وسہولت کا دین بنایا ہے۔ موزوں پر مسح کرنا آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْخِمَارِ))(۱)

آپ ﷺ نے موزوں اور پگڑی پر مسح کیا۔

موزوں پر مسح کا حکم

یہ تخفیف کی صورت ہے۔ موزہ پر مسح کرنا، پاؤں کے نکالنے اور دھونے سے افضل ہے حضور ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ کے پاؤں بغیر موزے کے ہوتے تو انہیں دھوتے اور جب آپ ﷺ نے موزے پہنے ہوئے ہوتے تو اس پر مسح کرتے۔

مسافر ومقیم کے لئے مسح کرنے کی مدت

مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات جبکہ مسافر کے لئے تین دن اور تین رات موزوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((جعل رسول الله ﷺ ثلاثة أيام ولياليهن للمسافر ويوما وليلة للمقيم))(۲)

آپ ﷺ نے مسافر کو تین دن اور تین رات اور مقیم کو ایک دن اور ایک رات موزوں پر مسح کرنے کی اجازت دی ہے۔

موزوں پر مسح کرنے کی شرائط

i. جو موزہ پہنا گیا ہو وہ پاک وصاف ہو۔

---

۱ صحیح مسلم:۲۷۵

۲ صحیح مسلم:۲۷۶

ii. طہارت یا وضو کی حالت میں پہنا گیا ہو۔

iii. موزوں پر مسح حدث اصغر کی صورت میں کیا جائے گا اور اس مدت میں کیا جائے گا جو مقیم یا مسافر کے لیے مقرر کی گئی ہے اسے اتارے گا نہیں۔

iv. موزے پاؤں پر ڈھکے ہوئے ہوں۔

موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ

انسان پانی سے اپنا ہاتھ بھگوئے پھر اپنے دائیں ہاتھ سے دائیں پیر کے موزے کے اوپر والے حصہ پر اپنی انگلیوں سے پنڈلی تک ایک ہی مرتبہ مسح کرے موزے کے نچلے حصے پر اور پیچھے مسح کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور بائیں ہاتھ سے بائیں موزہ پر اسی طرح مسح کرے۔ موزوں پر مسح مندرجہ ذیل چیزوں سے باطل ہو جاتا ہے۔

i. جب پاؤں سے موزہوں کو نکال لیا جائے۔

ii. جب غسل لازم ہو جائے مثلاً غسل جنابت، حیض وغیرہ۔

iii. جب مسح کی مدت یا وقت پورا ہو جائے۔

پگڑی اور دوپٹے پر مسح کرنے کی تخفیف

پگڑی پر بھی مسح کرنا جائز ہے اور خواتین ضرورت کے وقت اپنے دوپٹہ پر مسح کر سکتی ہیں اس میں وقت یا مدت کی کوئی قید نہیں ہے۔ پگڑی یا دوپٹہ کے اکثر حصہ پر مسح کیا جائے افضل یہ ہے کہ ان کو طہارت کی حالت میں پہنا جائے۔

آپ ﷺ نے اپنی پگڑی اور موزوں پر بھی مسح کیا۔ (۱)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

نبی ﷺ نے موزوں پر مسح کیا اور سر کے اگلے حصے پر اور اپنے عمامہ پر بھی۔ (۲)

عمامہ پر مسح کرنے کو اختیار کرنے سے خبر واحد سے قرآن مجید پر زیادتی لازم آتی ہے کیونکہ یہ حدیث خبر واحد ہے اور عمامہ پر مسح کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے لہٰذا اگر عمامہ پر مسح کا قول کیا جائے تو خبرِ واحد سے قرآن مجید پر زیادتی لازم آئے گی اور فقہ حنفی میں خبرِ واحد سے قرآن پر زیادتی جائز نہیں ہے یعنی خبرِ واحد کی بنا پر قرآن کے صریح حکم پر نہ اضافہ کیا جائے گا اور نہ اس کی تاویل کی جائے گی۔ البتہ حدیث کی تاویل کی جائے گی کہ آپ ﷺ

ا صحیح البخاری: ۲۰۵

2 صحیح مسلم: ۲۷۴

نے جو عمامے پر مسح کیا تھا اس کی تاویل یہ ہے کہ آپ نے عمامہ کے نچلے حصے میں سر پر مسح کیا تھا اور اس میں حال کا اطلاق محل پر ہے اور شاید دور سے دیکھنے والے صحابی نے اُسے عمامے پر مسح سمجھا۔

اس کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے:

"حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کر رہے تھے آپ کے سر پر قطری عمامہ تھا آپ نے اپنا ہاتھ عمامہ کے نیچے داخل کیا اور سر کے اگلے حصے پر مسح کیا اور عمامہ نہیں اتارا"۔[1]

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمامہ اتارے بغیر ذرا اوپر کر کے چوتھائی سر کا مسح فرمایا کیونکہ فقہ حنفی میں چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں کہ عمامہ پر مسح کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر کامل وضو کے بعد عمامہ پہنا ہو تو عمامہ پر مسح کرنا جائز ہے، جس طرح موزوں پر مسح کرنا جائز ہے جو فقہاء عمامہ پر مسح کرنے کا انکار کرتے ہیں وہ قرآن مجید کی اس آیت سے دلیل لیتے ہیں (اپنے سروں پر مسح کرو)[2] اور جو شخص عمامہ پر مسح کرے گا، وہ سر پر مسح نہیں ہو گا اور اس پر اجماع ہے کہ چہرے پر کوئی کپڑا لپیٹ کر اگر اس کپڑے پر مسح کیا جائے تو تیمم میں کافی نہیں ہو گا اس کا مستفاد یہ ہے کہ جس عضو پر مسح کرنا ہے اس عضو پر کپڑا رکھ کر مسح کیا جائے تو وہ کافی نہیں ہو گا اسی طرح سر پر عمامہ رکھ کر عمامہ پر مسح کیا جائے تو سر کے لیے وہ مسح کفایت نہیں کرے گا۔ علامہ خطابی کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سر پر مسح کرنے کو فرض کیا ہے اور عمامہ پر مسح کرنے والی حدیث تاویل کا احتمال رکھتی ہے، جو چیز تاویل کا احتمال رکھے، اس کی وجہ سے یقینی چیز کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

علامہ ابن منذر کا فرمان ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عمامہ پر مسح کیا حضرت عمرؓ، حضرت انسؓ اور حضرت ابو امامہؓ کا بھی یہی قول ہے، حضرت سعد بن مالکؓ اور حضرت ابو درداؓ سے بھی یہی روایت ہے، عمر بن عبد العزیزؒ، حسنؒ، قتادہؒ، مکحولؒ، اوزاعیؒ اور ابو ثورؒ کا بھی یہی نظریہ ہے اور عروہؒ، نخعیؒ، شعبیؒ، قاسمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور اصحابِ رائے (فقہائے احناف) نے کہا: عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔[3]

---

۱ سُنن ابو داؤد: ۱۴۷

۲ سورۃ المائدہ: ٦

۳ عمدۃ القاری، جلد ا، ص: ۱۰۱

خواتین کے لیے طہارت میں تخفیف

غسل جنابت کرتے ہوئے سر کے مکمل بالوں کو تر کرنا ضروری ہے لیکن اسلام نے خواتین کو آسانی دی ہے کہ وہ اپنے سر کی مینڈھیاں نہ بھی کھولیں تو انہیں اجازت ہے۔

((أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي فَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ قَالَ لَا إِنَّمَا يَكْفِيكِ أَنْ تَحْثِيَ عَلَى رَأْسِكِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ ثُمَّ تُفِيضِينَ عَلَيْكِ الْمَاءَ فَتَطْهُرِينَ))(۱)

حضرت ام سلمہؓ نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں اپنے سر کے بال مینڈھیوں کی صورت میں باندھتی ہوں کیا غسل جنابت کے لیے ان کو کھولوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بس تمہیں اتنا کافی ہے کہ تم اپنے سر پر تین چلو پانی بہا دیا کرو۔

ایام مخصوص میں اگر خون کپڑوں کو لگ گیا تو ان کو دھو کر انہی میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اگر خون وغیرہ کے نشانات باقی بھی رہ جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ حضرت خولہ بنت یسارؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میرے پاس ایک کپڑا ہے اور میں حائضہ ہو جاتی ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب تو پاک ہو جائے تو خون کی جگہ کو دھولے پھر اس میں نماز پڑھ لے۔

((انما يكفيك الماء ولا يضرك اثره))(۲)

تمہیں صرف پانی ہی کافی ہو جائے گا اس کا نشان تمہیں کچھ نقصان نہیں دے گا۔

استحاضہ ایک نسوانی بیماری ہے جس میں عورت کو ہر مہینے کے حسب معمول ایامِ حیض کے علاوہ باقی دنوں میں بھی خون آتا رہتا ہے۔ چنانچہ سنن ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، مستدرک حاکم، سنن دار قطنی، بیہقی اور مشکل الآثار طحاوی میں حضرت حمنہ بنت جحشؓ کی طویل حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں اختیار دیا ہے کہ وہ ہر نماز کے لیے وضو کر کے ادا کرتی جائیں اور غسل صرف انقطاعِ حیض پر ایک مرتبہ ہی کر لو تو کافی ہے۔

---

۱ صحیح مسلم، ج:۱/ ۷۴۳

۲ سنن ابی داوٗد، الطہارۃ، باب المراۃ تغسل ثوبہا ۳۶۵

زخمی کے لیے تخفیف

وضو اور غسل کرنے والے کا اگر بعض حصہ زخمی ہے، جہاں پانی لگنے سے بیماری کے بڑھنے کا خدشہ ہو تو ایسا آدمی اس مقام پر صرف مسح کر لے اسلام نے اسے تخفیف دی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ وہ غسل اور وضو میں زخم والی جگہ پر مسح کر لے اور اس کی ارد گرد والی جگہ کو دھو لے۔ (۱)

فقہاء کی آراء

امام صاحب اور صاحبین فرماتے ہیں کہ پٹی پر مسح کرنا واجب ہے فرض نہیں یہی مفتی بہ قول ہے تاہم امام صاحب فرماتے ہیں کہ پٹی پر مسح کرنے سے اگر نقصان ہو تو مسح بھی ساقط ہو جائے گا۔ حنابلہ، مالکیہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ پٹی پر پانی سے مسح کرنا فرض ہے۔ حنابلہ و شافعیہ کہتے ہیں کہ پٹی کے لئے ضروری ہے کہ پانی سے حاصل شدہ طہارت کے بعد باندھی ہو جبکہ احناف و مالکیہ پٹی کا طہارت کے بعد باندھا جانا ضروری نہیں قرار دیتے۔ احناف کے ہاں پٹی کے اکثر حصے پر ایک مرتبہ مسح کر لینا کافی ہے پوری پٹی پر مسح کرنا، دوبار کرنا، نیت کا ہونا بالاتفاق شرط نہیں۔ جمہور یعنی مالکیہ حنابلہ و شافعیہ فرماتے ہیں پانی کا جتنا زیادہ استعمال ممکن ہو کرتے ہوئے پوری پٹی کا مسح کرنا واجب ہے۔

احناف اور مالکیہ کہتے ہیں کہ صرف پٹی پر مسح کر لینا کافی ہے یہ پٹی کے نیچے کے عضو کے دھو لینے کا بدل ہے لہذا تیمم کو اس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ شوافع کے ظہر قول کے مطابق پٹی پر مسح کے ساتھ تیمم کرنا لازم ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر پٹی ضرورت سے زائد نہ لپیٹی گئی ہو تو صرف مسح کافی ہے اور پٹی ضرورت سے زائد جگہ ہو یا اس کے اتارنے سے نقصان کا اندیشہ ہو تو مسح و تیمم دونوں لازم ہے۔ مالکیہ و احناف کہتے ہیں کہ زخم کے ٹھیک ہو جانے کے بعد نماز کا اعادہ لازم نہیں۔ حنابلہ و شافعیہ کے نزدیک نماز کا لوٹانا لازم ہے بشرطیکہ بے وضو ہونے کی حالت میں باندھی گئی ہو یا ضرورت سے زائد ہو۔ (۲)

پٹی، جبس یا ڈامر پر مسح

اگر کسی کے اعضاء طہارت میں سے کوئی عضو ٹوٹا ہوا ہو اور اس پر پٹی یا جبس و ڈامر لگا ہوا ہو، تو اس عضو پر پانی سے مسح کر لے۔ البتہ وہ تیمّم نہ کرے کیونکہ مسح کرنا، دھونے کے قائم مقام ہے۔ دیوار یا کسی ایسی چیز پر بھی تیمّم

---

۱ البیہقی، ابیہقی، سنن الکبری للبیہقی ۱۰۸۹

۲ الفقہ الاسلامی وادلتہ: ج:۱، ص، ۳۴۷-۳۴۱

جائز ہے جو پاک ہو اور اس پر گرد و غبار بھی ہو۔ اور دیوار پر پینٹ (روغن) کیا گیا ہو تو اس پر تیمّم نہ کرے۔ ہاں اگر روغن کے اوپر بھی گرد و غبار موجود ہو تو اس پر تیمّم کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص زمین، دیوار یا غبار والی کسی بھی دوسری چیز پر تیمّم نہ کر سکتا ہو، تو پھر اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کسی برتن یا رومال میں مٹی ڈال کر اسکے آگے رکھ دیں جس سے وہ تیمّم کر سکے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے وضو کیا اور ان کے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی تو انہوں نے پٹی پر مسح کیا اور باقی حصہ کو دھو لیا۔(۱)

فقہاء کی آراء

امام صاحب اور صاحبین فرماتے ہیں کہ پٹی پر مسح کرنا واجب ہے فرض نہیں یہی قول ہے تاہم امام صاحب فرماتے ہیں کہ پٹی پر مسح کرنے سے اگر نقصان ہو تو مسح بھی ساقط ہو جائے گا۔ مالکیہ، حنابلہ اور شوافع فرماتے ہیں کہ پٹی پر پانی سے مسح کرنا فرض ہے۔(۲)

حکمتیں

جہاں آسانی و تخفیف رکھ دی گئی ہے تو وہاں کوئی ایسی چیز مقرر کر دی گئی ہے کہ جس کی وجہ سے نفس کو عبادت مطلوبہ کے ترک کرنے میں مطلق العنانی نہ ہو جائے اس لیے آپ ﷺ نے اس بات کے کیے چند باتیں مسح کے ساتھ مقرر کر دی ہیں جیسے مسح مقیم کے لیے ایک دن و رات اور مسافر کے لیے تین دن و رات مقرر فرمائی ہے۔ اس لیے کہ ایک دن رات یا تین رات کی ایسی مدت ہے کہ اس کا التزام اور انتظار ہو سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک بات لازمی کر دی کہ موزوں کو طہارت کی حالت میں پہنا ہو، مسافر کے لیے مسح کی مدت کی کوئی تحدید نہیں ہے جس کے لئے موزوں کا بار بار پہننا اور نکالنا مشکل و دشوار ہو جیسے مسلمانوں کی ڈاک ڈھونے والے، کسی ہنگامی صورت یا ایمر جنسی میں لوگوں کو بچانے کی خاطر کام کرنا۔

اسی طرح خواتین کے لیے بھی آسانی کر دی گئی ہے کہ جو عورت جنابت کی حالت میں ہو تو وہ سر کی مینڈھیوں کو نہ کھولے کیونکہ یہ ایک مشقت والا کام ہے۔ اس کے لیے صرف تین بار چلو بھر پانی پھینکنا کافی ہو گا۔
اسی طرح زخمی کے لیے بھی تخفیف کی گئی ہے اس کو تکلیف میں نہ ڈالا جائے، اس کے لیے کافی ہے کہ وہ اپنے اس حصے پر مسح کر لے۔

---

۱ البیہقی: ۲۲۸

۲ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج: ۱، ص: ۳۴۳

استحاضہ کے لیے یہ آسانی کر دی کہ وہ ہر نماز کے ساتھ غسل نہ کرے بلکہ وضو کرلے اس کے لیے کافی ہے۔اور جب پاک ہو جائے تو پھر غسل کر کے نماز پڑھے۔

فصل ثالث:

صلوۃ میں رخصت کے اسباب، صورتیں اور حکمتیں

صلوٰۃ کا لغوی معنی

"صلاۃ " عربی لغت کا لفظ ہے۔ **"صلاۃ"** باب تفعیل کا مصدر ہے جس کا لغوی معنی **"دعا، استغفار اور رحمت"** [۱] یا اچھی تعریف کرنا"[۲]

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ﴾ [۳]

اور انہیں دعا فرمائی بے شک آپ کی دعا ان کے لیے تسکین ہے۔

صلوٰۃ کا اصطلاحی مفہوم

مخصوص طریقے پر اللہ تعالی کے لیے انجام دی جانے والی عبادت کا نام "صلاۃ" ہے جو مخصوص، معلوم، افعال اور اقوال پر مشتمل ہوتی ہے۔ اصطلاح فقہ میں صلوٰۃ ان اقوال و افعال کا مجموعہ ہے جو تکبیر تحریمہ سے اس کا آغاز اور اختتام سلام پھیرنے سے ہوتا ہے۔ عبادت کا نام "صلاۃ" اسی لیے رکھا گیا ہے کیونکہ یہ دُعا پر مشتمل ہوتی ہے۔[۴]

لفظ **"الصلاۃ"** کو قرآن مجید میں متعدد معانی اور مقامات کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً استغفار[۵]، دُعاء،[۶] مغفرت[۷]، رحمت[۸]، مقامِ نماز[۹]،

---

۱ ابن منظور، لسان العرب، ۱۴ : ۴۶۵، ۴۶۶

۲ مصباح اللغات، ص:۴۵۷

۳ سورۃ التوبۃ:۱۰۳

۴ الجرجاني، علی بن محمد بن علی الزین الشریف الجرجاني، التعریفات الجرجانی، ص:۱۷۴

۵ سورۃ التوبۃ:۹۹

۶ سورۃ التوبۃ:۱۰۳

۷ سورۃ الأحزاب:۵۶، ۴۳

۸ سورۃ البقرۃ:۱۵۷

۹ سورۃ الحج:۴۰

اسلام[1]، دین[2]، قراء ت[3]، نمازِ قصر[4]، نمازِ پنج گانہ[5]، صلاۃ الخوف[6]، نمازِ عصر[7]، اُممِ سابقہ کی نماز[8]، عقل[9]، استقبالِ قبلہ[10]، نیت[11]، قیام[12]، مقامِ سجدہ پر نظر[13]، تعوّذ[14]، تسمیہ[15]، قراءتِ فاتحہ[16]، فاتحہ[16]، رکوع[17]، سجود[18]، درود و سلام[19]

دُعا[20]، سلام پھیرنے کے بعد ذکرِ الٰہی[21] جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

نماز کی مشروعیت کی حکمت کلمہ اسلام کے بعد سب سے عظیم اور اہم عبادت نماز ہے ۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

۱ سورۃ القیامۃ:۳۱

۲ سورۃ ھود:۸۷

۳ سورۃ الإسراء:۱۱۰

۴ سورۃ النساء:۱۰۱

۵ سورۃ البقرۃ:۴۳،۳

۶ سورۃ النساء۱۰۲

۷ سورۃ المائدۃ:۱۰۶

۸ سورۃ مریم:۳۱

۹ سورۃ النساء:۴۳

۱۰ سورۃ البقرۃ:۱۴۴و۱۴۹و۱۵۰

۱۱ سورۃ البینۃ:۵

۱۲ سورۃ البقرۃ:۲۳۸

۱۳ سورۃ المؤمنون:۲

۱۴ سورۃ النحل:۹۸

۱۵ سورۃ النمل:۳۰

۱۶ سورۃ المزمل:۲۰

۱۷ سورۃ الحج:۷۷،

۱۸ سورۃ الحج:۷۷،

۱۹ سورۃ الأحزاب:۵۶

۲۰ سورۃ المؤمن:۶۰،

۲۱ سورۃ النساء:۱۰۳،

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، پانچ وقت کی نماز قائم کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، زکوۃ ادا کرنا اور حج ادا کرنا۔[1]

نماز کی اہمیت کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت حضرت جبریل علیہ السلام اور بذریعہ وحی نہیں فرمائی۔ بلکہ لیلۃ الاسراء یعنی شبِ معراج میں سات آسمانوں سے اوپر امتِ محمدیہ پر نماز فرض کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ نماز اسلام کا بنیادی رکن ہے۔ نماز بہترین عبادت ہے اور عبادت کا دارومدار اسی پر ہے۔ نماز ہر مسلمان مرد، عورت، عاقل، بالغ فرض ہے۔ مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز کا چھوڑنا ہے امن وسکون اور اس کے دامن میں نجات حاصل کرنے ذریعہ ہے۔ یہ کامیابی وکامرانی کا راستہ ہے گناہوں اور برائیوں کا کفارہ بنتی ہے۔ نماز دین کا ستون اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ قیامت کے دن نماز کے بارے میں سب سے پہلے بازپرس ہوگی۔

قرآن مجید میں نماز کے بارے میں کثرت سے تفصیلات نازل ہوئی ہیں جیسے نماز کے ارکان، نماز کے واجبات، نماز کے صحیح ہونے کی شرائط اور سنن نماز وغیرہ۔ شرائط نماز میں سے طہارت غسل، وضو، تیمم نیز طہارتِ بدن ولباس ومکان اور دخو وقت کے ضمن میں پانچ وقت کی نماز، ستر پوشی اور لباس کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ﴾[2]

بے شک ایمان والے کامیاب ہوگئے۔ جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں۔

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾[3]

نماز قائم رکھو سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک اور صبح کا قرآن، بیشک صبح کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

نماز انسان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرتی ہے نفس انسانی کا عروج کرکے اپنے رب تک لے جانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ نماز ہر عاقل وبالغ شخص پر فرض ہے۔ سات سال کی عمر میں بچوں کو اس کی تلقین کرنی چاہیے اور دس سال کی عمر میں ان کو ہاتھ سے اس کے دارے میں سرزنش کرنی چاہیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

۱ صحیح بخاری: ۴۵۱۴

۲ سورۃ المومنون: ۲-۱

۳ سورۃ اسراء: ۷۸

((اپنی اولاد کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز کا حکم کرو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو اور ان کے سونے کے بستر الگ کر دو))۔[۱]

صلوۃ میں رخصت کے اسباب وصورتیں

i. مشقت

شریعت میں مشقت کے وقت آسانی اختیار کرنے، خطرات ونقصانات کے وقت احتیاطی تدابیر اپنانے کا حکم اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔

ایسا مریض جس کو عذر لاحق ہو اور وہ مسجد میں جانے سے قاصر ہو یا مشقت اور نا قابل برداشت تکلیف ہو۔ وہ اپاہج ہے، اس کا پاؤں کٹ گیا ہو، فالج زدہ ہو، اتنا بوڑھا ہو کہ مسجد تک جانے سے عاجز ہے، نابینا ہو اگر کوئی ایسا آدمی ہو جو ہاتھ پکڑ کر مسجد تک لے جائے مسجد کے راستے میں کیچڑ حائل ہو، سخت بارش ہو رہی ہو، سخت سردی پڑ رہی ہو، سخت تاریکی پھیلی ہوئی ہو، آندھی وطوفان کا زور ہو، مال یا کھانے کے تلف ہونے کا خدیشہ ہو، قرض خواہ کا خوف ہو، ظالم کا خوف غالب ہو۔ یہ وہ تمام عذر ہیں جس میں جماعت کا ترک کرنا مشقت ہے۔ تیز بارش یا آندھی وطوفان کی وجہ سے لوگوں کو اپنے گھروں میں نماز کا حکم دیا جاسکتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک ٹھنڈی اور برسات کی رات میں اذان دی پھر یوں پکارا **ألا صلوا في الرحال** کہ لوگو! اپنی قیام گاہوں پر ہی نماز پڑھ لو پھر فرمایا:

((إنَّ رَسولَ اللهِ ﷺ كانَ يَأْمُرُ المُؤَذِّنَ إذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ ومَطَرٍ، يقولُ: ألَا صَلُّوا في الرِّحَالِ))[۲]

آپ ﷺ سردی اور بارش کی راتوں میں مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ اعلان کر دے کہ لوگو! اپنی قیام گاہوں پر ہی نماز پڑھ لو۔

اسلام آسانی وسہولت کا نام ہے۔ جہاں شریعت ہمیں جسمانی مشقت کی وجہ سے تیز بارش وطوفان کے وقت گھروں میں نماز ادا کرنے کا حکم دیتی ہے تو جہاں جان کا خطرہ ہو تو وہاں گھروں میں نماز ادا کرنا بدرجہ اولی سمجھا جائے گا۔ کیونکہ جان تو بڑی قیمتی چیز ہے اس لیے اس کو ہلاکت میں ڈالنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ بارش

---

۱ سنن ابی داؤد: ۴۹۵

۲ صحیح بخاری، كِتَاب الْأَذَانِ، بَابُ الرُّخْصَةِ فِي الْمَطَرِ وَالْعِلَّةِ أَنْ يُصَلِّيَ فِي رَحْلِهِ ۶۶۶:

،طوفان اور کیچڑ کی وجہ سے بستی اور محلے کے سارے لوگ مسجد کی بجائے اپنے گھروں میں نماز ادا کرسکتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے آسانی وسہولت ہے کہ اس کو مشقت سے بچایا جاسکے۔

تضییق وقت

ہر وہ نماز جس کی قضاء نہیں جیسا کہ نماز جنازہ و عیدان کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم کرنا جائز ہے۔

قبلہ کی تعین میں رخصت

تمام مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ ہے اسی کی سمت نماز پڑھنے کا حکم ہے لیکن اگر آدمی مسافر ہے یا کسی ایسی جگہ پر ہے کہ اسے قبلے کی تعین کا علم نہیں ہے تو اس کی تعین کی کوشش کرے اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو اسلام نے آسانی دی ہے کہ جس جانب دل مطمئن ہو نماز پڑھ لے۔ قبلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں استقبال قبلہ کی شرط کا ساقط ہونا اور جس طرف غالب گمان اس طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر نماز پڑھنے کے بعد پتہ چلے کہ جس طرف اس نے رخ کر کے نماز پڑھی تھی اس طرف قبلہ نہیں تھا تو حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق اس پر اعادہ واجب نہیں البتہ امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس پر اعادہ واجب ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک اگر وقت باقی ہو تو اعادہ مستحب ہے۔

حضرت عامر بن ربیعہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے اندھیری رات کی وجہ سے ہمیں قبلہ کی سمت معلوم نہیں ہوئی ہر شخص نے اپنے ذہن کے مطابق نماز ادا کرلی۔ صبح جب آپ ﷺ کے سامنے یہ بات پیش کی گئی تو آپ ﷺ نے کہا کہ تمہاری نماز ہو گئی اور سورۃ البقرۃ کی یہ آیت نازل ہوئی۔(۱)

﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ (۲)

اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے سو تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کا رخ ہے۔

سقوطِ وجوب کی بعض صورتیں

نماز کے لیے قبلہ کا تعین واجب اور ضروری ہے۔(۳) اگر جان بوجھ کر قبلہ کیدوسری طرف منہ کر کے پڑھی گئی نماز درست نہیں ہوگی۔ کسی جنگل یا پھر بلاد کفر و شرک یا بادل و اندھیرے میں نمازی گمانِ غالب پر اعتماد کرتے ہوئے کسی ایک طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے تو اجتہاد پر بنیاد رکھ کر پڑھی گئی نماز صحیح ہوگی۔ گویا ایسی حالت

---

۱ سنن الترمذی، الصلاۃ ماجاءفی الرجل یصلی نغیرالقبلۃ فی :۳۴۵

۲ سورۃ البقرۃ:۱۱۵

۳ الشوکانی، محمد بن علی بن محمد الشوکانی ، نیل الاوطار ا/۲/166-169

میں اس سے قبلہ رُو ہونے کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ ایسا تب ہوتا ہے جب قبلہ کا تعین نہیں ہوتا ہے۔ جبکہ بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں نمازی سے یہ وجوب ساقط ہو جاتا چند صورتیں درج ذیل ہیں:

جنگل میں، بلادِ کفر و شرک یا اندھیرا ہونے کی صورت میں

اگر کوئی شخص کسی ایسے مقام پر ہو جہاں ہر طرف جنگل ہی جنگل ہو یا پھر اُسے بادل یا اندھیرے کی وجہ سے یا بلادِ کفر و شرک میں ہونے کی وجہ سے قبلہ کا پتا نہ چل رہا ہو کہ وہ کس جانب ہے، تو ایسے شخص کو چاہیے کہ امکانی حد تک قبلہ اور جہتِ قبلہ کی جستجو کرے اور بھرپور کوشش کے بعد اپنے گمان غالب کے مطابق کسی ایک طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ اگر نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد پتا بھی چل گیا کہ اس نے غلط سمت پر نماز پڑھی ہے اس کے باوجود اس کی نماز صحیح ہوگی اور صحیح سمت معلوم ہو جانے کے بعد اس کو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہؓ سے مروی ہے:

> ((كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فِيْ لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ فَلَمْ نَدْرِ اَيْنَ الْقِبْلَةُ فَصَلّٰى كُلُّ رَجُلٍ حِيَالَهٗ، فَلَمَّا اَصْبَحْنَا ذَكَرْنَا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَنَزَلَ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ)) (۱)
>
> ہم ایک سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور وہ ایک انتہائی تاریک رات تھی ہمیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ قبلہ کس طرف ہے، لہٰذا ہر شخص نے جدھر چاہا اُدھر ہی منہ کر کے نماز پڑھ لی۔ جب صبح ہوئی تو ہم نے یہ سارا ماجرا آپ ﷺ کو سنایا اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
>
> ﴿وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ﴾ (۲)
>
> تم جدھر بھی منہ کرو اللہ کا قبلہ یعنی منہ اُدھر ہی ہے۔

مسند طیالسی میں ہے کہ آپ ﷺ نے اُن کا ماجرا سن کر فرمایا: **مَضَتْ صَلَاتُكُمْ** تمھاری نماز ہوگئی پھر **فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ** (۳) والی آیت نازل ہوئی۔

---

۱ سنن الترمذی: ۲۸۴

۲ سورۃ البقرہ: ۱۱۵

۳ ارواء الغلیل: ۲/ ۳۲۳

حضرت جابرؓ سے مروی ہے، جس میں وہ بیان فرماتے ہیں: **كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ مَسِیْرٍ اَوْ سَرِیَّةٍ، فَاَصَابَنَا غَیْمٌ فَتَحَرَّیْنَا وَاخْتَلَفْنَا فِی الْقِبْلَةِ** ہم ایک عام سفر یا جہاد کی مہم میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھے بادل کے اندھیرے کی وجہ سے ہمیں قبلے کی صحیح سمت معلوم نہ ہوئی بلکہ اس سلسلے میں ہماری آراء مختلف ہو گئیں۔ ہم میں سے ہر کسی نے علیحدہ علیحدہ جہتوں نے نماز پڑھ لی اور ہر کسی نے کچھ نشانیاں رکھ لیں تاکہ بعد میں معلوم ہو سکے کہ کس نے کس طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ ہم میں سے کسی نے بھی صحیح سمتِ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز نہیں پڑھی تھی۔ ہم نے یہ سارا واقعہ آپ ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: **قَدْ اَجْزَ أَتْصَلَاتُكُمْ**[1] تمھاری نماز ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جنگل یا اندھیرے وغیرہ کی شکل میں قبلے کی صحیح جانب معلوم نہ ہونے پر کوشش کر کے ظنِ غالب پر اعتماد کرتے ہوئے کسی بھی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لیں تو نماز ہو جائے گی اور بعد میں قبلے کی صحیح سمت معلوم ہونے پر پہلی نماز کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔[2]

خوف اور مجبوری کی حالت میں

دشمن یا درندے کے خوف کی وجہ سے استقبال قبلہ کا ساقط ہونا، صلاۃ الخوف کی مشروعیت، پانی کے استعمال کی صورت میں کسی عضو کے ضائع ہونے کا خوف ان رخصتوں کا سبب خوف ہے۔

آدمی کسی شدید خوف و خطرے، انتہائی مجبوری و لاچاری یا پھر کسی بیماری میں مبتلا ہو اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ قبلہ کس طرف ہے، حسبِ موقع جس طرف بھی ممکن ہو اسی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی وہ نماز صحیح ہو گی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

> ﴿**فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ**﴾[3]
>
> اگر تم خوف زدہ ہو تو پیدل یا سوار جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لو اور جب تم حالتِ امن میں ہو تو پھر اللہ کو اسی طرح یاد کرو جس طرح یاد کرنے نماز پڑھنے کا طریقہ اس نے تمھیں سکھلایا ہے، جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

---

۱ الارواہ: ۲/ ۳۲۳-۳۲۴

۲ البغوی، محی السنہ ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی، شرح السنۃ: ۲/ ۳۳۰

۳ سورۃ البقرۃ: ۲۳۹

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مُسْتَقْبِلِی الْقِبْلَۃِ اَوْ غَیْرَ مُسْتَقْبِلِہَا[1] تم قبلہ رو ہو یا نہ ہو۔ حالتِ خوف میں استقبالِ قبلہ کے سلسلے میں رعایت ہو جاتی ہے۔ ایسے موقع پر پڑھی جانے والی نماز کو **"صلاۃ الخوف"** کہا جاتا ہے جس کا ذکر قرآن و حدیث میں بھی موجود ہے۔ قبلہ رُو ہونے کے سلسلے میں یہی حکم مریض کے لیے بھی ہے جو لیٹے لیٹے ہی نماز پڑھ سکتا ہے اور قبلہ رُو ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔

﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾[2]

جہاں تک تمھارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔

﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا﴾[3]

اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

احادیث میں بھی اس پر استدلال موجود ہے کیونکہ طاقت سے زیادہ کا حکم ہی نہیں اور ایسا مریض لاچار ہے جو لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھتا ہے استقبالِ قبلہ اس کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ حکم استقبال اُس سے ساقط ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((دَعُوْنِیْ مَاتَرَکْتُکُمْ، اِنَّمَا ہَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِسُؤَالِہِمْ وَاخْتِلَافِہِمْ عَلٰی اَنْبِیَائِ ہِمْ، فَاِذَا نَہَیْتُکُمْ عَنْ شَیْئٍ فَاجْتَنِبُوْہُ، وَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْہُ مَا اسْتَطَعْتُمْ))[4]

میں تمھیں کسی حکم پر جہاں چھوڑ دوں مجھے وہیں رہنے دیا کرو کیونکہ تم سے پہلے اکثر لوگ کثرتِ سوال اور انبیا سے اختلاف کے سبب ہلاک ہوئے تھے۔ جب میں تمھیں کسی کام سے روک دوں تو اس سے رک جاؤ اور جب کسی کام کا حکم دوں تو حسبِ استطاعت اسے بجالاؤ۔

اس حدیث کے آخری الفاظ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ جو کام استطاعت سے باہر ہو اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلَاۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾[5]

---

۱ سنن الترمذی:۲۱۵۸

۲ سورۃ التغابن:۱۶

۳ سورۃ البقرۃ:۲۸۶

۴ صحیح بخاری:۷۲۸۸

۵ سورۃ الروم:۳۱

اور نماز قائم کرو اور شرک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

بول وبراز کی حاجت والے کے لیے رخصت

اسلام نے رخصت دی ہے کہ اگر کسی انسان کو بول وبراز کی حاجت ہو تو اپنی حاجت سے فارغ ہو اور پھر نماز پڑھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہوتا ہے:

((جب کھانا حاضر ہو اور پیشاب وپاخانہ تنگ کر رہے ہوں تو اس وقت نماز جائز نہیں))۔[۱]

یعنی پہلے کھانا کھالے یا حاجت سے فارغت پالے پھر نماز پڑھے۔

فقہاء کی آراء

امام مالکؒ سے منقول ہے کہ تقاضائے حاجت کے وقت اگر نماز پڑھی جائے تو وہ ادا نہیں ہوتی لیکن جمہور کے نزدیک ادا ہو جاتی ہے مگر مکروہ رہتی ہے۔ احناف کے نزدیک تفصیل یہ ہے کہ اگر حاجت کا درجہ اضطراب کی حد تک پہنچا ہو تو اس حالت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر اضطراب نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔

بیماری کی حالت میں نمازوں کو جمع کرنا

بیماری کی حالت میں دو نمازوں کو جمع کرنا، ترک جماعت، نماز کے ارکان کا سقوط، پانی کے استعمال سے مرض میں شدت آنے کی وجہ تیمم کا جواز، عضو مجروح کا مسح کرنا، وغیرہ رخصتوں کا سبب مرض ہے۔ یہ جمع حقیقی ہے۔

بیماری کی حالت میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا ذکر حدیث میں نہیں ملتا لیکن امام احمدؒ، امام مالکؒ اور کئی علما و فقہا کے نزدیک بیماری میں بھی دو نمازوں کو جمع کر لینا جائز ہے۔ کیونکہ بیمار کو ہر نماز اپنے وقت پر ادا کرنے میں جو مشقت اور دقت پیش آتی ہے وہ بارش سے بھی زیادہ ہے۔[۲] اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے استحاضے والی عورت کو ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو جمع کر کے ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ استحاضہ ایک نسوانی بیماری ہے جس میں عورت کو ہر مہینے کے حسب معمول ایامِ حیض کے علاوہ باقی دنوں میں بھی خون آتا رہتا ہے۔ چنانچہ سنن ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد، مستدرک حاکم، سنن دار قطنی، بیہقی اور مشکل الآثار طحاوی میں حضرت حمنہ بنت جحشؓ کی طویل حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں دو باتوں میں اختیار دیا:

---

۱ صحیح مسلم، المساجد، باب کراھیة الصلاۃ ،بحضرۃ الطعام :۹۱

۲ نیل الأوطار ۲/ ۳/ ۱۸

i. ہر نماز کے لیے وضو کر کے ادا کرتی جاؤ اور غسل صرف انقطاعِ حیض پر ایک مرتبہ ہی کر لو تو کافی ہے۔

ii. ظہر کو موخر اور عصر کو مقدم کر کے ان کے مابین غسل کرو اور یہ دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھ لو، پھر مغرب کو موخر اور عشا کو مقدم کر لو اور غسل کر کے ان دونوں کو جمع کر کے ادا کر لو اور فجر کے لیے غسل کر کے پڑھ لو۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَیُّهُمَا صَنَعْتِ اَجْزَأَ عَنْکِ))[۱]

ان دونوں میں سے جسے بھی اپنا لو تم سے کفایت کر جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِي الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾[۲]

اللہ نے دین میں تم پر کوئی سختی نہیں کی۔

استحاضہ والی عورت کو آپ ﷺ نے نماز کے لئے صرف وضو کو کافی قرار دیا اور ظہر و عصر کو جمع کرنے کی اجازت دی اسی طرح مغرب وعشاء کو اکھٹا ادا کرنے کی اجازت دی۔ یہ اجازت مشقت میں کمی کرنے کے لئے ہے۔ اور غسل اس وقت کرنا ہے جب عورت حالت حیض سے انقطاع ہو جائے۔

فقہاء کی آراء

امام احمد بن حنبلؒ صرف مستحاضہ کی جمع بین الصلوتین کے قائل ہیں جبکہ جمہور کے نزدیک یہ اگر دونوں نمازوں کو جمع کرے گی بھی تو جمع صوری ہو گی جمع حقیقی جائز نہیں۔

دورانِ سفر جمع بین الصلاتین

چار رکعات والی نماز دو رکعات ہونا، جمعہ و عیدین کی نماز کا سقوط، دو نمازوں کو جمع کرنا صورتاً یا حقیقتاً، ترک جماعت، فجر کے علاوہ باقی نمازوں کی سنت مؤکدہ کا ساقط ہونا، دوران سفر پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں تیمم کرنا، ان سب رخصتوں کا سبب سفر ہے۔

مسافر ظہر و عصر کی نمازیں ایک وقت میں اور مغرب و عشا کی دونوں نمازیں بھی ایک وقت میں جمع کر کے پڑھ سکتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہوتا ہے:

---

۱ صنعانی ، عبدالرحمٰن کیلانی، سبل السلام ا، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد، / ۲/ ۴۱۔۴۳

۲ سورۃ الحج:۷۸

((اِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ اِلٰی وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا ، فَاِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَحِلَ صَلَّى الظُّهْرَ ثُمَّ رَكِبَ))(۱)

آپ ﷺ جب زوالِ آفتاب سے پہلے سفر شروع کرتے تو نماز ظہر کو عصر کے وقت تک موخر کر دیتے پھر کہیں رک کر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لیتے تھے۔ اگر آپ ﷺ کے سفر پر روانہ ہونے سے قبل سورج سر سے ڈھل چکا ہوتا تو پھر آپ ﷺ ظہر کی نماز پڑھ کر سوار ہوتے تھے۔

جمع تاخیر

نماز ظہر و عصر دونوں کو نماز عصر کے وقت ادا کر لینا "جمع تاخیر" کہلاتا ہے۔

جمع تقدیم

ظہر و عصر کو نماز ظہر کے وقت جمع کرنا "جمع تقدیم" کہلاتا ہے۔

((اِذَا كَانَ فِيْ سَفَرٍ فَزَالَتِ الشَّمْسُ صَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا ثُمَّ ارْتَحَلَ))(۲)

آپ ﷺ جب سفر میں ہوتے اور سورج ڈھل جاتا تو ظہر و عصر کو ظہر کے وقت میں جمع کر کے اکٹھی ادا کرتے پھر سفر شروع کر دیتے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہوتا ہے کہ جب اذان و اقامت کہی گئی اور آپ ﷺ نے نماز ظہر پڑھی پھر اقامت کہی گئی تو نماز عصر پڑھی اور ان دونوں کے مابین آپ ﷺ نے کوئی سنن و نوافل ادا نہیں کئے۔

((وَكَانَ ذٰلِکَ بَعْدَ الزَّوَالِ))(۳)

اور یہ زوالِ آفتاب کے بعد ہوا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کے وقت ظہر و عصر دونوں کو پڑھا اور یہی جمع تقدیم ہے۔

---

۱ صحیح البخاری مع فتح الباری (۲/ ۵۶۳-۵۶۴)

۲ صحیح مسلم مع شرح النووی: ۳/ ۵/ ۱۹۷

۳ الساعاتي، أحمد عبد الرحمن البنا الساعاتي، محمد عبد الوهاب بحیری، الفتح الرباني، بيت الأفكار الدولية، ۵/ 280-281

جمع صوری

بعض اہل علم نے جمع بین الصلاتین کو "جمع حقیقی" نہیں بلکہ "جمع صوری" قرار دیا ہے کہ آپ ﷺ نے پہلی نماز کو اس کے آخری وقت تک موخر اور دوسری کو اوّل وقت تک مقدم کر کے پڑھا تاکہ ہر دو نمازیں ہی اپنے وقت پر ہوں۔

امام خطابیؒ نے اس بات کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جمع ایک رخصت ہے اور اگر جمع صوری والوں کی بات مان لی جائے تو پھر یہ رخصت نہیں بلکہ نمازی کے لیے بہت مشکل ہو جائے گی کہ ہر نماز کو اُس کے وقت پر اور جمع کر کے پڑھا جائے کیونکہ نمازوں کے اوّل و آخر اوقات یعنی صحیح اوقات کی پہچان تو اکثر خواص کو نہیں ہوتی چہ جائیکہ عوام کو ہو سکے۔ جمع حقیقی کے رخصت ہونے کی دلیل صحیح مسلم میں ہے:

((رَادَ اَنْ لَا یُحْرِجَ اُمَّتَه))[1]

آپ ﷺ یہ چاہتے تھے کہ اپنی امت کو مشقت میں مبتلا نہ کریں۔

صحیح بخاری شریف میں ہے:

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي السَّفَر))[2]

آپ ﷺ دورانِ سفر مغرب وعشا کو جمع کر کے پڑھ لیا کرتے تھے۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے:

((كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلاَةِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ اِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْر))[3]

آپ ﷺ سفر میں مغرب وعشا جمع کر کے ادا کرتے تھے۔

مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے کہ جب کبھی آپ ﷺ کو سفر طے کرنے کی جلدی ہوتی تو آپ ﷺ مغرب و عشا کو جمع کر لیا کرتے تھے۔ اسی طرح صحیح بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے کہ جب آپ ﷺ کو سفر طے کرنے کی جلدی ہوتی تو مغرب کو موخر کر دیتے تاکہ مغرب و عشا کو جمع کر کے پڑھیں۔ حضرت سالمؒ فرماتے ہیں کہ خود حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا اپنا بھی جلدی کے سفر میں یہی طریقہ تھا۔ اور جب آپ ﷺ دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو پہلے مغرب کی اقامت ہوتی اور

---

۱ صحیح مسلم، ۳/۵/۱۹۸

۲ محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، مشکاۃ المصابیح، مکتبہ محمدیہ، ج/۱، ص/۴۲۵

۳ صحیح مسلم مع النووی، ۳/۵/۱۹۷-۱۹۹

آپ ﷺ تین رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیتے اور بہت معمولی سے وقفے کے بعد دوسری نمازِ عشا کی اقامت ہوتی اور آپ ﷺ دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیتے اور مغرب وعشا کے مابین یا عشا کے بعد آپ ﷺ کوئی نماز سنّت و نفل نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ رات کو تہجد کے لیے اٹھتے۔

فقہاء کی آراء

بغیر عذر بالاجماع جمع بین الصلاتین ناجائز ہے۔ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عذر کی صورت میں جائز ہے عذر امام مالک وشافعیؒ کے نزدیک مطر(بارش)اور سفر ہے جبکہ امام احمدؒ کے ہاں مرض بھی عذر ہے۔ پھر امام شافعیؒ کے نزدیک مطلق سفر عذر ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک جس سفر میں مشقت ہو وہ سفر عذر ہو گا۔ جمع چاہے تقدیم ہو یا تاخیر لیکن تقدیمی کی شرط ہے کہ پہلی نماز مکمل کرنے سے پہلے دوسری کی نیت ہو۔احناف کے نزدیک جمع حقیقی صرف عرفات و مزدلفہ میں میں جائز ہے اس کے علاوہ کسی بھی عذر کی وجہ سے جمع حقیقی جائز نہیں جمع صوری جائز ہے۔

منزلِ مقصود پر پہنچ کر جمع کرنے کے بارے میں فقہاء کی آرا

جمع بین الصلوٰتین صرف اسی وقت جائز ہے جب آدمی سفر میں رواں دواں ہو جبکہ موطا امام مالکؒ میں حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت میں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ مسافر رواں ہو یا کہیں ٹھہر چکا ہو جمع کر سکتا ہے آپ ﷺ نے غزوہ تبوک کے موقع پر نماز کو موخر کیا پھر آپ ﷺ اپنی قیام گاہ سے نکلے اور ظہر وعصر کو جمع کر کے ادا فرمایا اور دوبارہ اپنی قیام گاہ میں داخل ہو گئے پھر وہاں سے نکلے اور مغرب وعشا کو جمع کر کے پڑھا۔[۱]

قیام گاہ میں داخل ہونا اور نکلنا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ نمازیں سفر پر رواں دواں ہونے کی حالت میں نہیں بلکہ ایک جگہ قیام کر چکنے پر جمع کی جارہی تھیں۔فقہا کے نزدیک دورانِ سفر مطلقاً ظہر وعصر اور مغرب وعشا کے مابین جمع کرنا جائز ہے۔[۲] نمازی سفر میں رواں ہو یا کہیں ٹھہر چکا ہو یا سفر جلد طے کرنے کا ارادہ ہو یا عام رفتار سے جا رہا ہو اور جمع تقدیم سے پڑھے یا جمع تاخیر سے۔[۳]

فقہاء کی آراء

احناف کے نزدیک جمع حقیقی نہ اپنے مقام پر جائز ہے اور نہ حالت سفر میں جبکہ مالکیہ وشوافع کہتے ہیں کہ بارش کی صورت میں جمع کر سکتا ہے۔اور حنابلہ کے ہاں مرض بھی جمع کا عذر ہے۔

---

۱ صحیح البخاری، ۲/۵۷۸

۲ صحیح البخاری، ۲/۵۷۸

۳ صحیح البخاری مع الفتح، ۲/۵۷۸

بارش میں جمع کرنا

بارش کے سبب سے بھی جمع بین الصلوتین، مسجد کی جماعت کو ترک کرنا جائز ہے۔ یہ جمع حقیقی پڑھی جائے گی۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن عباسؓ جمعہ کے دن خطبہ سنایا، بارش و کیچڑ کی وجہ سے موذن کو یہ حکم دیا کہ اذان میں آج **حی علی الصلاۃ** کی جگہ **الصلاۃ في الرحال** پکار دو کہ نماز اپنی قیام گاہوں پر ہی ادا کر لو۔ جب لوگوں نے آپؓ کے اس عمل پر تعجب کیا تو انہوں نے کہا:

((كَأَنَّكُمْ أَنْكَرْتُمْ هذا، إنَّ هذا فَعَلَهُ مَن هو خَيْرٌ مِنِّي، يَعْنِي النبيَّ ﷺ إنَّهَا عَزْمَةٌ، وإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ)) (1)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے شاید اس کو برا جانا ہے۔ ایسا تو مجھ سے بہتر ذات یعنی آپ ﷺ نے بھی کیا تھا۔ بیشک جمعہ واجب ہے مگر میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ **حی علی الصلاۃ** کہہ کر تمہیں باہر نکال کر تمہیں تکلیف میں مبتلا کروں۔

میدانِ عرفات و مزدلفہ اور عام سفر میں دو دو نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنے کے علاوہ بعض حالات و مقامات ایسے بھی ہیں کہ ان میں بھی جمع جائز ہے۔ مثلاً تیز بارش کی وجہ سے مسجد میں بار بار آنا مشکل ہو تو مسجد میں دو نمازوں کو جمع کیا جاسکتا ہے۔

((إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَة سَبْعًا وَ ثَمَانِيًا، الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ)) (2)

آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے بھی ظہر و عصر کی آٹھ اور مغرب و عشا کی سات رکعتیں پڑھیں۔

آپ ﷺ نے ظہر و عصر اور مغرب و عشا کو جمع کر کے ادا فرمایا: **فِيْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلاَ سَفَرٍ** (3) جبکہ کوئی خوف تھا نہ آپ ﷺ مسافر تھے۔

---

۱ صحیح بخاری، کتاب الاذان،: ۶۶۸

۲ فتح الباری، ج/ ۲، ص/ ۵۷۳-۵۷۹

۳ صحیح البخاری، ج/ ۲: ص/ ۵۸۲

حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ نے خوف یا بارش کے بغیر ایسا کیوں کیا؟ تو انھوں نے فرمایا: آپ ﷺ نے یہ اس لیے کیا کہ آپ ﷺ کی امت کا کوئی شخص مشقت میں مبتلا نہ ہو۔ (۱)

سفر میں سہولتیں

سفر انسانی زندگی کا ایک اہم جزو ہے۔ سفر کی بے شمار سہولتیں مہیا ہیں مگر مجموعی طور پر مشقت سفر ایک حقیقت ہے۔ ہمارے دینِ اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ یہ دین فطرت ہے اور انسانی احوال کے مطابق ہی احکام دیتا ہے جس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ سفر کی مشقتوں کے پہلو کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے قرآن واحادیث میں اپنے ماننے والوں کو بہت سی آسانیاں عطا کی ہیں۔ جیسے دورانِ سفر چار فرضوں والی نمازوں کی صرف دو رکعتیں پڑھ لے۔ ظہر وعصر اور عشا کی نمازوں کے بارے میں صریح ہے کہ سفر میں ان کی صرف دو دو رکعتیں ہی پڑھی جائیں گی۔ فجر اور مغرب ان دونوں نمازوں کے فرضوں کی تعداد میں کوئی قصر نہیں اور ان میں قصر نہ ہونے پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے۔ ظہر وعصر اور پھر اسی طرح مغرب وعشا کو جمع کر کے کسی ایک کے وقت میں دونوں کو ہی ادا کر لے تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔ نمازوں کی متعلقہ موکدہ وغیر موکدہ سنتیں نہ پڑھے تو کوئی مواخذہ نہیں بلکہ کھلی رخصت ہے۔ البتہ فجر کی سنتیں اور نمازِ وتر سفر کے دوران میں بھی حضور ﷺ پڑھا کرتے تھے جو ان دونوں کی فضیلت کا ثبوت ہے۔

نماز فجر کی سنتوں کے علاوہ باقی نمازوں کی سنن مؤکدہ کے بارے میں ایک جماعت جن میں حضرت ابن عمرؓ شامل ہیں ان کے ترک کے قائل ہیں جبکہ حنفیہ، شافعی اور جمہور ائمہؒ ان کے پڑھنے اور استحباب کے قائل ہیں۔ احناف کے نزدیک اگر گنجائش ہو تو سنن مؤکدہ ادا کرنے میں فضیلت ہے اور ترک کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ سنت فجر کا پڑھنا ضروری ہے۔

اسی طرح شرعی عذر کی بنا پر مسح کرنا جائز ہے۔ موزوں یا جرابوں پر مسح کی مدت چوبیس گھنٹے مگر مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں ہیں۔

اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عبادات میں آسانی پیدا کر تمام انسانوں کے لیے آسانی کر دی ہے۔ تاکہ اللہ کی عبادت احسن طریقہ سے ادا ہو سکے۔ کیونکہ ہمارا دین انتہائی فطرتی اور آسان ہے۔

---

۱ فتح الباری، ص / ۵۸۳

حکمتیں

شریعت اسلامیہ میں اپنے پیروکاروں اور اپنے ماننے والوں کی سہولت اور آسانی کے لیے کوئی ناقابل برداشت مشقت سے بچاؤ کی خاطر متعدد احکام میں رخصت و تخفیف کا پہلو رکھا ہے۔ رخصت کا تعلق بندگان خدا کی مجبوری اور اعزاز کے ساتھ ہے۔ شرعی احکام میں رخصت عطا کرنے کا مقصد بندوں کو سہولت پہچانا ہے یعنی کسی حقوق کو ساقط یا معاف کر دیا جاتا ہے۔ اس کی حکمتیں درج ذیل ہیں۔

وضو کے لیے پانی کا نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی رخصت رکھی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں پانی کی جگہ تیمم کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ فرض ادا ہو جائے۔ ایسا مریض جو اپنے مرض کی وجہ سے پانی کے استعمال سے قاصر ہو اور وضو یا غسل فرض ہونے کی صورت میں اُسے جان جانے کا خدشہ ہو یا کسی عضو کے ناکارہ ہو جانے کا خدشہ ہو تو ایسی صورت میں وضو کے بجائے تیمم کرنے کی رخصت و اجازت ہے۔ اسی طرح ایسی بیماری جس میں پانی لگنے سے بیماری کا بڑھ جانے کا خدشہ ہو، عضو کے ٹوٹنے یا زخمی ہونے کی وجہ سے اس پر پٹی بندھی ہو تو وضو یا غسل میں اُس عضو کو دھونے کے بجائے اُس پر مسح کرنے کی رخصت ہے۔[۱]

اگر کوئی بیمار شخص نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو اُسے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی رخصت ہے۔ کیونکہ اس میں اس کے قیام کی فرضیت ساقط ہے۔ اس میں حکمت یہ رکھی گئی ہے کہ اس کو مشقت میں نہ ڈال جائے، اور اس کے لیے آسانی پیدا کر دی گئی ہے۔ تاکہ فرض بھی ادا کرلے۔ اگر مریض اپنی بیماری کی وجہ سے کھڑے ہونے سے قاصر ہے لیکن زمین پر بیٹھ کر سجدہ نہیں کر سکتا یا قیام و سجود کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں بیماری بڑھنے کا خدشہ ہو، ناقابل برداشت درد، یا صحت یابی ہونے میں تاخیر ہو تو ان صورتوں میں کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگر بیمار آدمی زمین پر سجدہ کرنے کی استطاعت بھی نہیں رکھتا تو اس صورت میں وہ شروع ہی سے زمین پر یا کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ جس طرح اس کے لیے آسانی و سہولت ہو تو وہ بیٹھ کر یا اشارہ سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اگر زمین پر بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے میں مشقت یا دقت پیش آرہی ہو تو وہ کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور اگر اشارے سے بھی نماز پڑھنے سے قاصر ہے تو اُس کے ذمے نماز کی ادا ساقط ہے۔

قصر نماز میں چار رکعت کی جگہ کو دو رکعت ادا کرنا۔ اس میں دو کی رخصت ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اس میں آسانی پیدا کر دی گئی ہے۔ اور فرض بھی ادا ہو جائے گا۔ مسافر نماز قصر نہ کرے اور پوری نماز یا رکعات پڑھے تو وہ گناہ گار ہو گا۔ اور اس کو ثواب کے بجائے اسے گناہ ہو گا۔ حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

۱فتح الباری، ص/ ۵۸۴

((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ الْأَنْصَارِيِّ ؓ قَالَ: صَحِبْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتْ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ))[1]

حضرت براء بن عازب انصاریؓ نے فرمایا: میں نے اٹھارہ سفروں میں آپ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل کیا لیکن میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے سورج ڈھلنے کے بعد ظہر سے پہلے دو رکعتوں کو ترک کیا ہو۔

حضرت حفص بن عاصمؒ بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ کے سفر میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے ساتھ تھا انہوں نے ہمیں دو رکعت ظہر پڑھائی پھر ہم اپنی قیام گاہ پر آ کر بیٹھ گئے۔ اچانک حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے دیکھا لوگ نماز پڑھ رہے ہیں تو پوچھا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا یہ سنتیں پڑھ رہے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا:

((لَوْ كُنْتُ مُسَبِّحًا لَأَتْمَمْتُ صَلَاتِي يَا ابْنَ أَخِي إِنِّي صَحِبْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي السَّفَرِ فَلَمْ يَزِدْ عَلَى رَكْعَتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللهُ وَصَحِبْتُ أَبَا بَكْرٍ فَلَمْ يَزِدْ عَلَى رَكْعَتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللهُ وَصَحِبْتُ عُمَرَ فَلَمْ يَزِدْ عَلَى رَكْعَتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللهُ ثُمَّ صَحِبْتُ عُثْمَانَ فَلَمْ يَزِدْ عَلَى رَكْعَتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللهُ[2] وَقَدْ قَالَ اللهُ ﷻ قَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ))[3]

اگر میں سنتیں پڑھتا تو فرض نماز پوری چار رکعت نہ پڑھ لیتا، اے بھتیجے! میں سفر میں آپ ﷺ کے ساتھ رہا ہوں، آپ ﷺ نے تاحیات سفر میں دو رکعات سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ میں حضرت ابو بکرؓ کے بھی ساتھ رہا ہوں تو انہوں نے بھی تاحیات سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں۔ اور میں حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی رہا ہوں انہوں نے بھی تاحیات سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں، اور میں حضرت عثمانؓ کے ساتھ بھی رہا ہوں انہوں نے بھی سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: آپ ﷺ کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

حائضہ عورت کے لیے نماز میں رخصت ہے۔ اور حکمت یہ ہے کہ مشقت میں نہ ڈالا جائے۔

---

۱ صحیح مسلم مع شرح النووی: ۳/۵/۱۹۷

۲ صحیح مسلم: ۶۸۹

۳ سورۃ الاحزاب: ۲۱

استحاضہ والی عورت کو آپ ﷺ نے نماز کے لئے صرف وضو کو کافی قرار دیااور ظہر وعصر کو جمع کرنے کی اجازت دی اسی طرح مغرب وعشاء کو اکھٹا ادا کرنے کی اجازت دی۔ یہ اجازت مشقت میں کمی کرنے کے لئے ہے۔

فصل رابع:

صلوٰۃ میں تخفیف کے اسباب وصورتیں

صلوٰۃ میں تخفیف کے اسباب وصورتیں

صلوٰۃ میں تخفیف کے اسباب وصورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

مریض کے لیے نماز میں تخفیف

مریض شخص کے لیے واجب ہے کہ وہ کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کرے اگرچہ تھوڑا سا جُھک کر ہی کیوں نہ کھڑا ہو۔ اور اگر کسی چیز کا آسرا لے کر کھڑے ہونے کی ضرورت محسوس کرتا ہو تو دیوار یا کسی عصا وغیرہ کے ساتھ ٹیک لگا کر بھی کھڑا ہو سکتا ہے۔ لیکن اسلام نے اس کو تخفیف دی ہے کہ وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔ اگر وہ کھڑے ہونے کی استطاعت ہی نہ رکھتا ہو تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔ اور افضل یہ ہے کہ قیام اور رکوع کے اوقات میں وہ چار زانو ہو کر یا چوکڑی مار کر بیٹھے۔ اگر مریض شخص بیٹھ کر بھی نماز ادا نہ کر سکتا ہو تو وہ کسی ایک پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھ لے اور دائیں پہلو پر لیٹ کر نماز پڑھنا افضل ہے۔ اگر قبلہ رُو ہونے کی استطاعت نہ ہو تو جِدھر بھی رخ ہو اُدھر ہی نماز پڑھ لے۔ اسکی نماز صحیح ہے اور اسے دہرانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کسی ایک پہلو پر قبلہ رو لیٹ کر نماز پڑھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو کمر کے بل چت لیٹ جائے اور پاؤں قبلہ کی طرف کرلے یہی افضل ہے کہ سر کو سرہانے وغیرہ سے ذرا اونچا رکھے تا کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو جائے۔ اور اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو اسکے پاؤں قبلہ کی طرف ہوں تو پھر جس طرح بھی ممکن ہو نماز پڑھ لے۔ اللہ اس کی نماز کو قبول کرلیں گئے۔

سیدنا عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ مجھے بواسیر تھی آپ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر پڑھو اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو پہلو کے بل ہو کر پڑھو۔[۱] آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((صَلِّ قائما، فإن لم تستطع فقاعدا، فإن لم تستطع فعلى جَنْبٍ))[۲]

کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھ لو اور اگر بیٹھ کر بھی پڑھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز ادا کرو۔

---

۱ صحیح البخاری:۱۱۱۸

۲ سنن ابی داؤد، الصلاۃ ۱۷۹ / ۹۵۲

مریض کے لیے ضروری ہے کہ وہ نماز میں رکوع و سجود کرے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو رکوع و سجود کے لئے سر سے اشارہ کرے اور سجدے کے لئے رکوع کی نسبت سر کو ذرا زیادہ جھکائے اگر سجدہ تو نہ کر سکے مگر رکوع کر سکتا ہو تو وہ رکوع کے موقع پر رکوع کرے اور سجدوں کے لیے اشارہ کر لے اور اگر سجدہ کر سکتا ہو مگر رکوع نہ کر سکے تو وہ سجدوں کے وقت تو سجدے ہی کرے البتہ رکوع کے وقت اشارہ کر لے۔ اگر کوئی مریض رکوع اور سجود کے لیے سر سے بھی اشارہ نہ کر سکے تو وہ صرف اپنی آنکھوں سے اشارہ کرے۔ رکوع کے لیے آنکھوں کو ذرا سا بند کرے اور سجدوں کے لیے اسکی نسبت زیادہ دیر کے لیے بند کرے۔ البتہ بعض بیمار لوگ جو انگلی سے اشارہ کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

اگر کوئی مریض سر یا آنکھ سے اشارہ بھی نہ کر سکتا ہو تو پھر وہ اپنے دل کی نیت کے ساتھ ہی نماز ادا کر لے وہ اس طرح کہ تکبیرِ تحریمہ کہے۔ سورۃ الفاتحہ اور دوسری قراءت کرے۔ رکوع، سجدوں، قیام اور قعدہ کی دل سے نیت کرے۔ کیونکہ ہر شخص کیلئے وہی ہے جسکی اس نے نیت کی۔

مریض کے لیے واجب ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرے۔ اور نماز کے تمام واجبات میں سے جو بھی ممکن ہوں انھیں اپنے اصل انداز سے ادا کرے۔ اور اگر اسکے لیے تمام نمازوں کو انکے اوقات پر ادا کرنا مشکل ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے اکٹھی کر لے چاہے تو جمع تقدیم کر کے نمازِ ظہر کو نمازِ عصر اور نمازِ مغرب کو نمازِ عشاء کے ساتھ پڑھ لے یا جمع تاخیر کر کے ظہر کو نمازِ عصر کے وقت تک مؤخر کر کے اور نمازِ مغرب کو نمازِ عشاء تک مؤخر کر کے پڑھ لے۔ جمع تقدیم یا جمع تاخیر میں سے جو اس کے لیے آسان ہو اُسی کو اپنا لے۔ البتہ نمازِ فجر نہ اس سے پہلی نماز کے ساتھ جمع کر کے پڑھی جا سکتی ہے نہ بعد والی کے ساتھ۔ بیماری کی وجہ سے پیش آنے والی مشکلات دو نمازوں کو جمع کرنے کے اسباب میں شامل ہیں۔ آپ ﷺ نے اجازت دی ہے کہ استحاضہ والی عورت جسے ماہواری کے ایام میں بھی خون آتا رہتا ہے وہ دو نمازوں کو جمع کر لے۔[۱] استحاضہ بھی ایک بیماری ہے۔

فقہاء کی آراء

امام احمدؒ نے مریض شخص کے لئے دو نمازیں جمع کرنے کی دلیل یہ دی ہے کہ بیماری سفر سے زیادہ گراں ہوتی ہے۔ نیز انہوں نے سورج غروب ہونے کے بعد سینگی لگوائی اور پھر مغرب و عشا کو جمع کر کے ادا کیا۔[۲]

---

۱ جامع ترمذی:۱۲۸

۲ البہوتی، منصور بن یونس بن إدریس البہوتی، کشاف القناع عن متن الإقناع، مکتبہ الوقفیہ ۱۹۸۳، ص:۲

جس مریض کے لئے دو نمازیں اکٹھی کرنا جائز ہو تو وہ دونوں نمازیں مکمل ادا کرے گا۔ قصر نہیں کرے گا۔ احناف کے نزدیک مریض کی آسانی کے لئے نماز پڑھنے کی انتہائی صورت یہ ہے کہ وہ سر کے اشارے سے نماز پڑھے اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو قضاء واجب ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ آنکھ کے اشارے یا دل کی نیت سے نماز پڑھے جبکہ شوافع اور احناف کے ہاں ارکان نماز و سنن کا دل پر جاری کرنا انتہائی اور آخری صورت ہے۔

جو شخص سفر شرعی کے ارادہ سے شہر کی حدود سے نکل جائے گا اس کے لئے قصر ثابت ہو جائے گی اور واپس لوٹے گا تو شہر کی حدود میں داخل ہوتے ہی اس پر پوری نماز ادا کرنا لازم ہو گی۔

اگر کسی شخص کا ارادہ پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا ہو اور وہ پندرہ دن سے زیادہ ٹھہر جائے تو مسافر ہی ہو گا قصر واجب ہو گی۔

اگر بالکل ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو بلا ارادہ کئی ماہ بھی ٹھہر جائے تو قصر ہی کرے گا مثلاً یہ ارادہ کرتا ہے شام کو چلا جاؤں گا یا صبح چلا جاؤں گا لیکن دن زیادہ گزر جاتے ہیں تو وہ مسافر ہی ہو گا۔

اگر پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرے مگر وہ مقام ٹھہرنے کا نہ ہو مثلاً دریا یا جنگل ہو پھر بھی قصر واجب ہے۔

اگر پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو مگر دو جگہ پر اور اُن میں اتنا فاصلہ ہو کہ ایک جگہ کی اذان دوسری جگہ نہیں سنائی دیتی تو پھر بھی قصر واجب ہے مثلاً بیس (۲۰) دن ٹھہرنے کا ارادہ کرتا ہے مدینہ منورہ اور قبا میں اور دس دن مدینہ منورہ میں اور دس دن قبا میں۔ ہاں اگر دن کو مختلف جگہ پھرتا ہے رات ایک جگہ ہی رہتا ہے مثلاً مدینہ منورہ میں تو پھر نیت اقامت معتبر ہو گی اور پوری نماز پڑھے گا قصر جائز نہیں ہو گی اور اقامت میں اعتبار رات کا ہوتا ہے۔

مقیم مسافر کی اقتداء کر سکتا ہے چاہے نماز ادا ہو یا کہ قضاء ہو امام مسافر دو رکعات پر سلام پھیر دے گا اور مقتدی کھڑا ہو کر اپنی نماز پوری کرے گا۔

مسافر صرف ادا نماز میں مقیم کی اقتدا کر سکتا ہے کیونکہ وقتی نماز یعنی ادا امام کے پیچھے پڑھنے سے امام کی متابعت میں پوری لازم ہو گی لیکن قضاء میں مسافر کی اقتدا نہیں کر سکتا کیونکہ اب اس کی دو رکعات متعین ہو چکی ہیں اب اگر وہ مقیم کی اقتداء کرے گا تو اس کے لئے قعدہ اولیٰ فرض ہو گا اور امام کے حق میں واجب ہو گا تو قعدہ کے اعتبار سے فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے ہوئی جو کہ جائز نہیں ہے۔

نمازِ قصر

نماز میں بھی تخفیف رکھی گئی ہے جیسے نماز قصر، قصر سے مراد یہ ہے کہ چار رکعت نماز کو قصر یعنی کم کرنا ہے۔اور یہ قصر سفر میں کچھ مخصوص شرائط کے ساتھ فجر اور مغرب کی نمازوں کے علاوہ کہ ان پہ کوئی کمی بیشی طاری نہیں ہوتی دیگر تمام چار رکعت نمازوں کی آخری دو رکعتوں کو کم کرنے سے واقع ہوتی ہے۔

﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ط اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا﴾[1]

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو اگر تمہیں اندیشہ ہے کہ کافر تمہیں تکلیف میں مبتلا کر دیں گے، بے شک کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

یہاں یہ بات ذہن میں آسکتی ہے کہ عصر حاضر میں سفر اتنا مشکل نہیں رہا اور نہ ہی اکثر کفار کی طرف سے تکلیف میں مبتلا ہونے کا ڈر ہوتا ہے پھر نماز قصر کیوں کی جاتی ہے؟ تو اس کا جواب حدیث سے ملتا ہے:

((عَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَقَدْ أَمِنَ النَّاسُ فَقَالَ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ))[۲]

حضرت یعلیٰ بن امیہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں قصر کرو یعنی چار رکعت فرض کی جگہ دو پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہے کہ کافر تمہیں تکلیف میں مبتلا کر دیں گے حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے بھی اس بات پر تعجب ہوا تھا۔ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سفر میں تخفیف نماز کا صدقہ کیا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کرو۔

قصر نماز صرف مسافر کے لیے جائز ہے۔ قصر نماز کا ایک ہی مخصوص سبب ہے اور وہ سبب سفر ہے لہذا نماز سفر کے علاوہ قصر نہیں ہو گی جبکہ ضرورت اور عذر کی بنا پر دو نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ اگر لمبے یا مختصر سفر میں نماز

---

۱ سورۃ النساء،:۱۰۱

۲ صحیح مسلم،۱: ۴۷۸

جمع کرنے کی ضرورت محسوس ہو اسی طرح جیسے بارش، بیماری وغیرہ اور دیگر اسباب کی بنا پر نمازیں جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امت سے مشکلات کا خاتمہ ہو۔(۱)

مدتِ قصر:

نماز قصر واجب ہونے کے لئے کل مسافت ۴۸ میل یا تقریباً ۷۸ کلومیٹر ہے۔ اگر بیمار شخص دوسرے ملک میں علاج معالجہ کے لیے گیا ہوا ہو تو وہ چار رکعتوں والی نمازوں کو قصر کر کے دوگانہ پڑھ لیا کرے۔ نماز ظہر، عصر اور عشاء کی دو دو فرض رکعتیں پڑھ لیا کرے۔ اور اسکے لیے یہ قصر کی سہولت تب تک ہے جب تک وہ دوسرے ملک میں زیرِ علاج رہے۔ اسکے لئے تھوڑی مدت لگے یا طویل عرصہ وہ ہر صورت میں قصر کر سکتا ہے۔

حضرت انس فرماتے ہیں:

((خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلیٰ الله علیه وآله وسلم مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتَّى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ قُلْتُ أَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا قَالَ أَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا))(۲)

ہم آپ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے تو آپ ﷺ دو دو رکعتیں پڑھتے یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ میں لوٹ آئے۔ میں نے کہا: آپ مکہ مکرمہ میں کچھ ٹھہرے؟ فرمایا: ہاں اس میں دس روز ٹھہرے۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی الله عنهما إِذَا قَدِمَ مَكَّةَ فَأَرَادَ أَنْ يُقِيمَ خَمْسَ عَشْرَةَ لَيْلَةً سَرَّحَ ظَهْرَهُ، فَأَتَمَّ الصَّلَاةَ.(۳)

حضرت عبد اللہ بن عمر جب مکہ جاتے اور پندرہ دن قیام کا ارادہ کرتے تو اپنی پشت کھول دیتے اور پوری نماز پڑھتے۔

فقہاء کی آراء

امام محمدؒ فرماتے ہیں:

---

۱ ابن تیمیہؒ، مجموع الفتاوی: ۲۲/ ۲۹۳

۲ صحیح بخاری: ۲/ ۵۶۱/ ۱۴۷۲

۳ عبد الرزاق، المصنف: ۲/ ۵۳۴/ ۴۳۴۳ ۳ محمد بن حسن شیبانی، المبسوط، ۱: ۲۶۶

((قلت أرأيت إن سافر ثلاثة أيام فصاعدا فقدم المصر الذي خرج إليه أيتم الصلاة؟ قال إن كان يريد أن يقيم فيه خمسة عشر يوما أتم الصلاة وإن كان لا يدري متى يخرج قصر الصلاة قلت ولم وقت خمسة عشر يوما؟ قال للأثر الذي جاء عن عبد الله بن عمر رضى الله عنهما))(١)

میں نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا اگر کوئی شخص تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت طے کر کے اس شہر میں پہنچ جائے جس کے لئے اس نے سفر کیا تھا تو کیا وہ پوری نماز پڑھے گا؟ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: اگر اس کی نیت پندرہ دن قیام کی ہے تو نماز پوری پڑھے گا اور اگر اس کو پتا نہ ہو کہ وہ کب تک قیام کرے گا تو قصر کرے۔ میں نے پوچھا آپ نے پندرہ دن کس دلیل سے متعین کئے ہیں؟ فرمایا: حضرت عبد اللہ بن عمر کی حدیث سے۔"

لہٰذا احناف کے نزدیک سفر شرعی کے بعد کسی مقام پر پندرہ دن قیام کے ارادہ سے نماز قصر ختم ہو جائے گی۔ مگر پندرہ دن قیام کے ارادہ سے کسی مقام پر جاتے اور واپسی آتے ہوئے دوران سفر نماز قصر ہی واجب ہو گی۔ اور پندرہ دن سے کم مدت قیام کی نیت سے دوران قیام بھی نماز قصر واجب ہو گی۔

اگر کوئی قیدی اپنے شہر سے دور کسی اور جگہ ہو اور اس کی مسافت نماز کے قصر کرنے والی ہو تو وہ مسافر کے حکم میں ہے۔

چنانچہ اگر اسے معلوم نہیں ہے کہ وہ کب یہاں سے نکلے گا؟ تو ضرورت کے وقت نمازیں جمع کر سکتا ہے، یہاں تک کہ اسے معلوم ہو جائے کہ وہ جیل سے کب نکلے گا یا اسے علم ہو جائے کہ وہ چار دن سے زیادہ جیل میں گزارے گا۔

اگر اسے علم ہو جائے کہ وہ چار دن سے زیادہ جیل میں گزارے گا تو اس کا حکم ایسے شخص کا ہو گا جس پر اس سے زیادہ قید کا حکم لاگو کیا گیا ہے اس لیے وہ سفر کی رخصتوں پر عمل نہیں کر سکتا، یہ جمہور فقہائے کرام کا موقف ہے۔

ایسا مسافر جو کسی علاقے میں ٹھہرا تو ہوا ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کا کام کب ختم ہو گا، نہ ہی اس علاقے میں ٹھہرنے کی کوئی مدت معین ہے تو وہ سفر کی رخصتوں پر عمل کرے گا، چاہے مدت چار دن سے زیادہ لمبی ہو جائے۔

---

١ محمد بن حسن شیبانی، المبسوط، ا: ٢٦٦

جس طرح قیدی کے لیے قصر نماز کا حکم مندرجہ بالا فقہاء کی آراء میں بیان کی گئی ہے جسے کہ قیدی کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس کو کب رہائی ملے گی اسی طرح اگر مسافر مریض کو یہ معلوم نہیں کہ اس کا علاج کب مکمل ہو گا تب اس کے اوپر نماز قصر میں قیدی والے احکام لاگو ہوں گئے۔

امام اَبو محمد موفق الدین ابن قدامۃ المقدسیؒ فرماتے ہیں:

(مَنْ لَمْ يُجْمِعْ الْإِقَامَةَ مُدَّةً تَزِيدُ عَلَى إحْدَى وَعِشْرِينَ صَلَاةً، فَلَهُ الْقَصْرُ، وَلَوْ أَقَامَ سِنِينَ، مِثْلُ أَنْ يُقِيمَ لِقَضَاءِ حَاجَةٍ يَرْجُو نَجَاحَهَا، أَوْ لِجِهَادِ عَدُوٍّ، أَوْ حَبَسَهُ سُلْطَانٌ، أَوْ مَرَضٌ، وَسَوَاءٌ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ انْقِضَاءُ الْحَاجَةِ فِي مُدَّةٍ يَسِيرَةٍ، أَوْ كَثِيرَةٍ، بَعْدَ أَنْ يَحْتَمِلَ انْقِضَاؤُهَا فِي الْمُدَّةِ الَّتِي لَا تَقْطَعُ حُكْمَ السَّفَرِ (۱)

جو شخص اکیس نمازوں سے زیادہ قیام کرنے کی پختہ نیت نہ کرے تو وہ قصر نماز پڑھ سکتا ہے، چاہے اسے کئی سال قیام کرنا پڑے، مثلاً: وہ اپنے کسی ایسے کام کو پورا کرنے کے لئے قیام کرے جس کے پورے ہونے کی امید ہو، یا دشمن سے جہاد کے لئے یا حکمران اسے قید کر دے، یا بیماری اسے سفر نہ کرنے دے۔ ان تمام صورتوں میں حکم یکساں ہی رہے گا چاہے اس کے گمان میں کام جلد پورا ہونے کا امکان ہو یا دیر سے تاہم اتنا ہے کہ اسے اتنی مدت کے بعد کام مکمل ہونے کا گمان ہو جس سے سفر کا حکم کالعدم نہیں ہوتا۔ اور امام ابن المنذرؒ (اَبو بکر محمد بن اِبراھیم بن المنذر النیسابوری فرماتے ہیں:

قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ: أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ أَنَّ لِلْمُسَافِرِ أَنْ يَقْصُرَ مَا لَمْ يُجْمِعْ إقَامَةً، وَإِنْ أَتَى عَلَيْهِ سِنُونَ " (۲)

ابن المنذرؒ کہتے ہیں: اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ مسافر جب تک اقامت پذیر ہونے کی نیت نہیں کرتا تو وہ قصر کر سکتا ہے، چاہے وہ اس طرح سالہاسال گزار دے۔

سفر میں بالاتفاق قصر جائز ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ قصر عزیمت ہے یعنی واجب ہے لہذا اس کو چھوڑ کر تمام جائز نہیں۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے جبکہ ان کی دوسری روایت میں قصر کو افضل قرار دیا گیا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قصر رخصت ہے اور تمام یعنی پوری نماز پڑھنا نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔

---

۱ المغنی: ۲/ ۲۱۵

۲ ایضاً

مجبور شخص کے لیے حکم

قصر اس مسافر کے لیے ہے جس کا کسی شہر میں یا کسی جگہ پر جا کر ایک مقررہ مدت تک ٹھہرنے کا ارادہ ہو۔ اگر کسی جگہ مجبور کا ہوا ہو اور ہر وقت یہ خیال ہو کہ مجبوری زائل ہوتے ہی وطن واپس ہو جائے گا تو ایسی جگہ بلا تعینِ مدت قصر پڑھی جا سکتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کے اس سلسلے میں متعدد آثار اور مثالیں موجود ہیں۔ چنانچہ مسند احمد، بیہقی، مصنف عبد الرزاق اور سنن اثرم میں صحیح سند سے مروی ہے کہ

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: ہم غزوات کے سلسلے میں آذربائی جان میں تھے کہ برف باری کی وجہ سے وہاں ہمیں چھے ماہ رکنا پڑا اور اس ساری مدت میں ہم نمازِ قصر پڑھتے رہے۔ [۱]

فقہاء کی آراء

جمہور کے نزدیک مجبور آدمی قصر کرے گا جب تک اس وہ حالت مجبوری میں رہے گا جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک وہ اٹھارہ دن تک قصر کرے گا اس کے بعد پوری نماز پڑھے گا۔ [۲]

---

۱ الفقہ الإسلامی و أدلتہ، 321 /2

باب ثالث

صوم وزکوۃ میں رخصت و تخفیف کے اسباب وصورتیں

فصل اول: صوم میں رخصت کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں

فصل ثانی: صوم میں تخفیف کی صورتیں اور حکمتیں

فصل ثالث: زکوۃ میں رخصت کے اسباب اور حکمتیں

فصل رابع: زکوۃ میں تخفیف کی صورتیں اور حکمتیں

فصل اول:

صوم میں رخصت کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں

روزہ کے لغوی معنی

روزہ کو عربی زبان میں "صوم" کہتے ہیں۔ صوم کے لغوی معنی روک لینے کسی چیز کو چھوڑ دینا ہے۔[۱]

اصطلاحی مفہوم

عبادت کی نیت سے طلوع فجر سے غروب آفتاب تک اپنے آپ کو کھانے پینے، نفسانی خواہشات سے رک جانا یا باز رہنے کا نام روزہ ہے۔

روزہ بظاہر ایک مشقت والی عبادت ہے لیکن حقیقت میں اپنے مقصد اور نتیجے کے لحاظ سے یہ دنیا میں موجب راحت اور آخرت میں باعث رحمت ہے۔ روزہ دار دن بھر اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے لیکن افطار کے وقت اس پابندی کے اختتام کو بھی اپنے لئے باعث مسرت سمجھتا ہے۔

روزہ کی اہمیت

جس طرح نماز فرض ہے اسی طرح اللہ نے روزہ بھی فرض کیا ہے۔ اوراس کی اہمیت وافادیت سب کے سامنے عیاں ہے۔ روزہ ہر بالغ مسلمان مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے اور بغیر کسی سخت مجبوری کے اس کو چھوڑنے کی اجازت نہیں۔

۱. روزوں کا مہینہ بہت اہم ہے اس کی فضیلت قرآن مجید میں نازل کی گئی ہے۔

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ[۲]

شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

۲. روزہ اسلام کے ارکان میں سے چوتھا رکن ہے۔

۳. روزہ جسمانی صحت کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ اسے بڑھاتا بھی ہے۔

۴. روزوں سے دل پاک، روح کی صفائی اور نفس کی طہارت حاصل ہوتی ہے۔

۵. روزے دولت مندوں کو غریبوں کی حالت سے عملی طور پر باخبر رکھتا ہے۔

---

۱ لسان العرب، ۱۲: ۳۵۱

۲ سورۃ القدر: ۳

٦. روزے، شکم سیروں اور فاقہ مستوں کو ایک سطح پر کھڑا کر دینے سے قوم میں مساوات و برابری کے اصول کو تقویت دیتا ہے۔

٧. روزے ملکی قوتوں، قوی اور حیوانی قوتوں کو کمزور کرتا ہے۔

٨. روزہ جسم کو مشکلات کا عادی اور سختیوں کا خوگر بناتا ہے۔

٩. روزے سے بھوک وپیاس کے تحمل اور صبر وضبط کی دولت ملتی ہے۔

١٠. روزے سے انسان کو دماغی اور روحانی یکسوئیت حاصل ہوتی ہے۔ روزہ انسان کو بہت سے گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ روزہ نیک کاموں کے لیے اسلامی ذوق وشوق کو ابھارتا ہے۔

١١. روزہ ایک مخفی اور خاموش عبادت ہے، جو ریا ونمائش سے بری ہے۔

١٢. قدرتی مشکلات کو حل کرنے اور آفات کو ٹالنے کے لیے روزہ بہترین ذریعہ عبادت ہے۔

قرآن مجید میں روزہ کی اہمیت کے بارے میں بہت زور دیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَه فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّه وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[١]

یہ گنتی کے چند دن ہیں پس اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کے روزوں سے گنتی پوری کرلے اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو ان کے ذمے ایک مسکین کے کھانے کا بدلہ ہے پھر جو کوئی اپنی خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھ لینا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں سمجھ ہو۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[٢]

اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں، جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اس آیت میں ماہ رمضان میں روزے کی فرضیت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مسافر و مریض کے لیے روزہ دوسرے دنوں میں قضا کرلینے کی سہولت بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ **يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ**

---

١ سورۃ البقرۃ: ١٨٤

٢ سورۃ البقرۃ: ١٨٤

بِكُمُ الْعُسْرَ [1] اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتے۔ روزے جیسے پہلی امتوں پر بھی فرض تھے ایسی طرح ہم پر بھی فرض کیے گئے ہیں لیکن ہمارے لیے دو بڑی سہولتوں کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

روزہ فرض ہے جو ہر حال میں رکھنا ہے لیکن اگر بیماری اور سفر کی وجہ سے روزے میں دشواری پیش آ رہی ہے تو اجازت دی گئی ہے کہ اس وقت روزہ نہ رکھیں اور بعد میں مناسب ایام میں قضا کر لیں۔ جبکہ اگر بڑھاپے اور بیماری کی نوعیت ایسی ہے کہ بعد میں بھی قضا نہیں ہو سکتی تو فدیہ دے دیں۔ روزہ رمضان المبارک میں نہ رکھ سکنے کی صورت میں فدیہ دیا جاتا ہے اور بعض لوگ معمولی بیماری پر بھی فدیہ دے کر خود کو بری الذمہ سمجھ لیتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ فدیہ روزہ نہ رکھ سکنے کی صورت میں نہیں ہے بلکہ قضا نہ کر سکنے کی صورت میں ہے جو شخص رمضان المبارک میں روزہ نہیں رکھ سکتا وہ بعد میں قضا کر سکتا ہے لیکن اس کے لیے فدیہ نہیں بلکہ قضا ہے۔ البتہ جو بعد میں قضا بھی نہیں کر سکتا ہو اس کے لیے فدیہ کی سہولت موجود ہے حتیٰ کہ فقہاء کرامؒ نے لکھا ہے کہ اگر یہ سمجھ کر فدیہ دے دیا کہ رمضان المبارک میں روزہ نہیں رکھ سکتا اور بعد میں قضا کی استطاعت بھی نہیں رکھ سکتا اور بعد میں کسی وقت قضا کرنے کی استطاعت ہو گئی تو قضا ضروری ہو جائے گی اور دیا گیا فدیہ صدقہ شمار ہو گا۔ یہ روزے میں ایک بڑی سہولت ہے جو دو مرحلوں میں دی گئی ہے۔ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ بیماری یا سفر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا تو بعد میں قضا کرنے اور دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ اگر بعد میں قضا بھی نہیں کر سکتا تو فدیہ دیا جا سکتا ہے۔

i. روزہ پہلی امتوں کا روزہ دن رات کا ہوتا تھا جو رات سونے سے شروع ہو جاتا تھا اور اگلے روز شام تک جاری رہتا تھا سحری اس میں نہیں ہوتی تھی آپ ﷺ کی امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے روزے کا دورانیہ کم کر دیا اور رات اس سے نکال کر سحری کھانے کو سنت قرار دے دیا۔ اور اس کی وجہ ہماری ایک کمزوری بیان کی کہ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ [2] اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اپنے نفسوں کے ساتھ خیانت خیانت کرتے ہو۔ وہ یہ کہ روزے میں کھانے پینے کے ساتھ ساتھ میاں بیوی کی مباشرت بھی منع ہے لیکن کچھ لوگوں سے رات کو اس سے صبر نہیں ہوتا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے خیانت سے تعبیر کر کے فرمایا ہے کہ وَعَفَا عَنْكُمْ پچھلی کوتاہیاں اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دی ہیں اور آئندہ کے لیے رات کو روزے سے نکال دیا ہے اب روزہ طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

---

۱ سورۃ البقرۃ:۱۸۵

۲ سورۃ البقرۃ :۱۸۷

یہ دو بڑی سہولتیں اللہ تعالیٰ نے امت کو دی ہیں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون بیان فرمایا ہے کہ وہ تمہارے لیے سہولت اور یُسر کا راستہ بتاتا ہے اور تمہیں تنگی اور عُسر میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا عمومی ضابطہ یہ ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [1] اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اس کی ہمت اور طاقت سے زیادہ کام نہیں لگاتا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کوئی حکم جو کسی انسان کی طاقت میں نہ ہو شریعت میں اس سے اس کا تقاضہ نہیں کیا گیا اور اگر کوئی کام اس کی طاقت سے باہر ہو گیا ہے تو اس کے مطابق اسے سہولت دی گئی ہے۔

صوم میں رخصت کے اسباب وصورتیں

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے یہ آسانی پیدا کی ہے کہ روزے صرف اس پر فرض کیے ہیں جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اور جو کسی شرعی عذر کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا اس کے لیے روزہ چھوڑنا مباح کیا ہے۔ مندرجہ ذیل وہ اسباب یا شرعی عذر بیان کیے گئے ہیں جن کی بناء پر روزہ چھوڑنا جائز ہے۔

مشقت

حالت جہاد میں صوم رمضان کا مباح ہونے کا سبب مشقت ہے۔

نسیان

نسیانا روزہ افطار کر لینے کی صورت میں قضا کا ساقط ہونے کا سبب نسیان ہے۔

بیماری یا مرض

مریض سے روزے کا سقوط کا سبب مرض ہے۔ مرض یا بیماری اسے کہتے ہیں جو انسان کو صحت سے نکال کر کسی علت میں ڈال دے۔ ابن قدامہؒ کہتے ہیں:

اہل علم کا اجماع ہے کہ مریض کے لیے روزہ چھوڑنا جائز و مباح ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۚ [2]

اور جو کوئی مریض ہو یا مسافر وہ دوسرے ایام میں گنتی مکمل کرے۔ تو اتنے روزے اور دنوں میں اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

---

۱ سورۃ البقرہ:۲۸۶

۲ سورۃ البقرۃ ۱۸۴

حضرت سلمہ بن اکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

اور جو اس کی طاقت رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ دیں تو روزہ چھوڑنا چاہتا وہ روزہ نہ رکھتا بلکہ اس کے بدلے میں فدیہ دے دیتا تھا حتی کہ اس کے بعد والی آیت یہ نازل ہوئی یعنی اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُؕ وَمَنْ كَانَ مَرِیْضًا اَوْ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَؕ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوْا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوْا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾[1]

رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں، تم میں سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہیے ہاں جو مریض ہو یا مسافر اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے۔

تو اس میں پہلی آیت کو منسوخ کر دیا لہذا وہ مریض جسے روزہ رکھنے سے مرض کی زیادتی کا خدشہ ہو یا پھر بیماری سے شفایابی میں تاخیر ہونے کا ڈر ہو یا کسی عضو کے خراب ہونے کا خطرہ ہو تو اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز بلکہ سنت ہے۔ اور اس کا روزہ رکھنا مکروہ ہو گا کیونکہ ہو سکتا ہے اسے ہلاک کر دے اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے پھر یہ بھی ہے کہ مرض کی شدت اس کے لیے روزہ چھوڑنے کو جائز کر دیتی ہے لیکن اگر صحیح شخص بھی تھکاوٹ اور شدت کا خطرہ محسوس کرے تو اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز نہیں کہ جب اسے صرف تھکاوٹ کی شدت حاصل ہو تو روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔

روزہ میں رخصت

i. حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمیؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کیا میں سفر میں روزہ رکھوں؟ اور وہ کثرت سے روزہ رکھنے والے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہے تو رکھ چاہے نہ رکھ۔[2]

ii. سفر کی طرح جہاد میں بھی دشواری کے پیش نظر روزہ ترک کیا جا سکتا ہے اور اگر رکھا ہو تو توڑا جا سکتا ہے مگر اس کی صرف قضا ہو گی کفارہ نہیں ہو گا۔

---

۱ سورۃ البقرۃ:۱۸۵

۲ صحیح مسلم، کِتَاب الصِّیَامِ، باب التَّخْيِيرِ فِي الصَّوْمِ وَالْفِطْرِ فِي السَّفَرِ :۲۶۲۵

iii. بڑھاپا بذات خود ایک بیماری ہے۔ اس میں بھی روزہ رکھنے کی بجائے فدیہ دیا جا سکتا ہے۔

iv. بوڑھے آدمی کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی گئی ہے لیکن وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلائے اور اس پر کوئی قضا نہیں۔

v. حیض و نفاس والی عورت بھی اس حالت میں روزہ نہیں رکھ سکتی نہ نماز پڑھ سکتی ہے۔ البتہ بعد میں روزے کی قضا کرنا ہو گی نماز کی نہیں۔

دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے۔ بعد میں صرف قضا ہو گی۔

حمل اور دودھ پلانے والی خواتین پر فقہاء کی آرا

فقہاء کرام اس پر متفق ہیں کہ حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی دونوں ہی رمضان میں روزہ چھوڑ سکتی ہیں لیکن ایک شرط کے ساتھ کہ اگر انہیں اپنے آپ یا بچے کے بیمار ہونے کا خدشہ ہو یا پھر بیماری کے زیادہ ہونے یا ضرر پہنچنے اور ہلاک ہونے کا خطرہ ہو۔

اس مرض سے مراد مرض کی صورت یا عین مرض مراد نہیں اس لیے جس مریض کو روزہ ضرر نہیں دیتا اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز نہیں لہذا یہاں پر مرض کا ذکر اس سے کنایہ تھا کہ جسے روزہ ضرر دے اور یہ مرض کے معنی میں ہی ہے جو یہاں پر پایا گیا ہے اس لیے وہ دونوں اس رخصت میں شامل ہوں گی اور روزہ نہیں رکھیں گی۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((انه قدم على رسول الله ﷺ من سفر، فقال:" انتظر الغداء يا ابا امية". قلت: إني صائم , قال:" ادن اخبرك عن المسافر، إن الله وضع عنه الصيام، ونصف الصلاة"))

یقینا اللہ تعالی نے مسافر سے روزہ اور آدھی نماز کم کر دی ہے اور حاملہ دودھ پلانے والی عورت سے روزہ [۱]

بڑھاپا

شیخ فانی سے روزے ساقط ہوں گے مگر فدیہ واجب ہو گا۔ بڑھاپے میں مندرجہ ذیل شروط شامل ہیں:

---

۱ سنن النسائی:۲۲۷۳

شیخ فانی یعنی جس کی قوت بالکل ختم ہو چکی ہو یا پھر وہ فنا ہونے کے قریب ہو اور روزانہ ہی کمزوری کی طرف جارہا ہو اور وہ مریض جس کے شفایاب ہونے کی امید ہی نہ ہو اور اس کی صحت سے ناامیدی پیدا ہو چکی ہو۔اور اس میں بوڑھی عورت بھی شامل ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾

اور جو اس کی طاقت نہیں رکھتے وہ بطور فدیہ ایک مسکین کو کھانا دیں ۔[1]

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ یہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے لیے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھیں تو اس کے بدلہ میں ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔

حالت اکراہ یا جبر کی صورت میں رخصت

اکراہ کسی شخص کو دھمکی یا اسلحہ کے زور سے کسی فعل کے کرنے یا پھر کسی ناپسندیدہ فعل کو ترک کرنے پر ابھارنا ، یا کسی کو افطار پر جبر کروانے کا جواز کا سبب اکراہ ہے۔

اگر کسی کو بہت زیادہ بھوک یا پیاس نڈھال کرے وہ بھی روزہ افطار کر سکتا ہے اور اپنی ضرورت کے مطابق کھالے لیکن اسے باقی سارا دن کچھ نہیں کھانا پینا چاہیے اور بعد میں اس دن کی قضاء ادا کرلے۔[2]

امام نویؒ نے لکھا ہے کہ بھوک اور پیاس کے ساتھ دشمن سے متوقع یا یقینی مقابلہ میں کمزوری کے خوف کو بھی ملحق کیا ہے لہذا غازی کا جب ظن غالب ہو یا پھر یقین ہو کہ دشمن سے لڑائی اور مقابلہ ہو گا اور وہ روزہ رکھنے کی وجہ سے کمزوری کا خوف محسوس کرے اور وہ مسافر بھی نہیں تو اس کے لیے جنگ سے قبل روزہ چھوڑنا جائز ہے۔[3]

مسافر کے لیے رخصت

رمضان میں مسافر کیلئے روزہ چھوڑنا جائز ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

اور جو کوئی مریض ہو یا پھر مسافر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔اگر سفر میں روزہ رکھنے میں مشقت نہ ہو تو مسافرہ حالت سفر میں بھی روزہ رکھ سکتی ہے۔ ایک صحابیؓ سے سفر میں روزہ رکھنے کے بارے میں آپ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم چاہو تو روزہ رکھو اور اگر چاہو تو روزہ چھوڑ دو۔[4]

۱سورۃ البقرۃ: ۱۸۴

۲تعلیقات ابن عثیمین علی الکافی ۳/۱۲۴

۳المجموع اشافی:۶/۲۵۸

۴صحيح مسلم ،كِتَاب الصِّيَامِ، باب التَّخْيِيرِ فِي الصَّوْمِ وَالْفِطْرِ فِي السَّفَرِ : ۲۶۲۵

جس سفر میں روزہ ترک کرنے کی رخصت ہے اس میں مندرجہ ذیل شروط پائی جاتی ہیں:

i. طویل سفر جس میں نماز قصر کی جاسکتی ہو۔

ii. مسافر اپنے سفر میں اقامت کی نیت نہ کرے۔

iii. جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس کا سفر کسی معصیت اور گناہ کے لیے نہ ہو بلکہ کسی صحیح غرض کے لیے ہو۔

iv. مسافرہ عورت چھوڑے ہوئے روزے کی قضا بعد میں کرے گی۔

اس لیے کہ سفر میں روزہ نہ رکھنا رخصت اور تخفیف ہے لہذا گناہ کے لیے سفر کرنے والا اس کا مستحق نہیں کیونکہ اس کا سفر گناہ پر مبنی ہے، جیسا کہ کوئی شخص ڈاکہ ڈالنے کے لیے سفر کرے۔

فقہاء کی آراء

سفر میں روزہ نہ رکھنا بالاتفاق جائز ہے لیکن افضلیت کے بارے میں امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعیؒ کے نزدیک روزہ رکھنا افضل ہے لیکن اگر مشقت کا اندیشہ ہو تو افطار افضل ہے۔ امام احمدؒ کے نزدیک مطلقا افطار افضل ہے۔ بعض اصحاب ظواہر یہ کہتے ہیں کہ سفر میں روزہ رکھنا علی الاطلاق ناجائز ہے۔ [1]

I. سفر کی رخصت کا انقطاع

وجوہات کی بنا پر بالاتفاق رخصت ختم ہو جاتی ہے:

i. مسافر جب اپنے شہر میں واپس آجائے، اور شہر میں داخل ہو جائے جہاں اس کی اقامت ہے۔

ii. جب مسافر مطلقا اقامت کی نیت کرلے یا ایک جگہ پر مدت اقامت کی نیت کرلے جو رہنے کے قابل ہو تو اس سے وہ مقیم ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ نماز پوری ادا کرے گا اور روزہ بھی رکھے اس کے لیے روزہ چھوڑنا جائز نہیں کیونکہ سفر کا حکم ختم ہو چکا ہے۔

عصر حاضر میں عذر کی بناء پر روزہ چھوڑنے کی رخصت

کورونا ایک عالمی وبا ہے جس نے بہت قلیل وقت میں تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور نتائج بڑی تعداد میں ہلاکت اور پوری دنیا میں لاک ڈاؤن کی صورت میں سامنے آئے ہیں۔ ماہرین جو حفاظتی تدابیر بتا رہے ہیں، اُن کے مطابق ایسے لوگ جن کا مدافعتی نظام کمزور ہے اُن پر حفاظتی تدابیر پر عمل کرنا لازم ہے۔

---

۱ ردالمختار علی درالمختار، جلد/۶، ص/۳۵۷

ایسے حالات میں جب کسی شخص کے لیے بیماری کے مہلک بن جانے یا روزے دار کی جان تلف ہونے کا ظنِ غالب ہو جائے تو روزہ توڑنے یا چھوڑنے کی شرعی رخصت پر عمل واجب سمجھا جائے گا کیونکہ اس کی تائید میں احادیثِ مبارکہ بھی موجود ہیں اور ائمۂ مجتہدین اور فقہائے امت کے اقوال بھی موجود ہیں۔ روزہ توڑنے کی صورت میں صرف قضا لازم ہوگی کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((آمركم باربع، وانهاكم عن اربع، الإيمان بالله، ثم فسرها لهم))

اللہ نے تمہارے لیے جو رخصت دی ہے اُس رخصت پر عمل کرنا تم پر واجب ہے۔ (۱)

ایک اور جگہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت کو قبول نہیں کیا اُسے میدانِ عرفات کے پہاڑوں کے برابر گناہ ہوگا۔ "(۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی معصیت کو ناپسند فرماتا ہے اسی طرح اپنی دی ہوئی رخصت پر عمل کرنے کو پسند فرماتا ہے۔" (۳)

علامہ ابن عابدین شامیؒ تنویر الابصار مع الدر المختار کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر روزہ رکھنے کی صورت میں ہلاکت کا اندیشہ ہو تو روزہ توڑنا واجب ہے۔ (۴)

علامہ علاؤالدین ابو بکر کاسانی حنفیؒ لکھتے ہیں: "امام ابو حنیفہؒ سے روایت ہے:

عذر کی بناء پر روزے کو توڑنے کی مُطلق اباحت بلکہ وجوب اُس صورت میں ہے کہ روزے دار کی ہلاکت کا اندیشہ ہو کیونکہ اس میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اللہ کے حق کو قائم رکھنے کے لیے نہیں جو کہ واجب ہے اس حالت میں روزے کا وجوب باقی نہیں رہتا اور یہ حرام ہے تو ایسی صورت میں روزہ توڑنا مباح بلکہ واجب ہوگا۔ (۵)

---

۱ صحیح مسلم: ۱۱۵

۲ مسند احمد بن حنبل: ۵۳۹۲

۳ مسند احمد بن حنبل: ۵۸۶۶

۴ شامی، ابن عابدین شامی، رد المحتار علی در المختار، مکتبہ دمشق، جلد/۶، ص/۳۵۶

۵ بدائع الصنائع، ص: ۱۴۲

بیماری کی زیادتی اوراس کا لمبا ہونا کبھی ہلاکت کا سبب بنتا ہے تو اس سے بچنا واجب ہے۔ (۱)

فقہاء کی آراء

اگر روزے کے سبب ہلاکت کا غالب گمان ہو یا شدید تکلیف جیسے کسی حس کا معطل ہونے کا گمان ہو تو اس صورت میں روزہ توڑنا واجب ہے۔ بیماری کی حالت میں روزہ توڑنے کے بارے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں:

حنفیہ اور شافعیہ کا قول ہے: ایسی صورت میں روزہ توڑنا مباح ہے حنابلہ نے کہا: ایسی صورت میں روزہ توڑنا سنت ہے اور رکھنا مکروہ ہے اور مالکیہ نے کہا: اگر بیماری یا ضعف کے سبب روزہ رکھنے کی صورت میں ہلاکت کا اندیشہ ہو تو روزہ توڑنا واجب ہے۔ (۲)

فتح مکہ کے سفر کے موقع پر بعض صحابہ کرامؓ نے عذرِ سفر کی بناء پر روزہ نہ رکھا جب مکہ کے قریب "مرُّ الظہران" کے مقام پر آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا تو جن صحابہ کرامؓ نے رخصتِ شرعی پر عمل کرتے ہوئے روزہ نہیں رکھا تھا وہ چاق و چوبند تھے اور کام کاج میں لگ گئے اور جن صحابہ کرامؓ نے عزیمت پر عمل کرتے ہوئے روزہ رکھا تھا وہ نڈھال ہو گئے اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((ذھب المفطرون الیوم بالاجر))

آج روزہ نہ رکھنے والے اجر کمانے میں سبقت لے گئے۔ (۳)

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((لَيْسَ مِنَ الْبِرِّالصَّوْمُ فِي السَّفَرِ)) (۴)

سفر میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔

بیمار عورت کے لیے رخصت

بیمار عورت کی دو اقسام ہیں۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

---

۱ ہدایہ، ج/۳، ص/۱۱۹

۲ الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج/ ۳، ص/۱۶۹۸-۹۹

۳ صحیح بخاری: ۲۸۹۰

۴ صحیح بخاری: ۱۹۴۶

i. ایسی عورت جو بیمار ہو اور روزہ کی وجہ سے مشقت یا جسمانی تکلیف محسوس کرے یا شدید بیماری کی وجہ سے دن میں دوا کھانے پہ مجبور ہو تو اپنا روزہ چھوڑ سکتی ہے۔ تکلیف کی وجہ سے جتنا روزہ چھوڑئے گی اتنے کا بعد میں قضا کرے گی۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

((فقالوا: صائم، فقال: ليس من البر الصوم في السفر)) (۱)

اور جو کوئی مریض ہو یا پھر مسافر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے۔

ii. ایسی بیماری جس کی شفایابی کی امید نہ ہو اور ایسے ہی بوڑھے مرد و عورت جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں اُن دونوں کیلئے روزہ چھوڑنا جائز ہے اور ہر روزے کے بدلے روزانہ ایک مسکین کو نصف صاع تقریبا ڈیڑھ کلو گیہوں، چاول یا کھائی جانے والی دوسری اشیاء دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اور اس کی طاقت رکھنے والے فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا دیں۔ (۲)

فقہاء کی آراء

حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ مرض روزے کو مباح کر دیتا ہے جب کہ امام احمدؒ کہتے ہیں افطار مسنون ہے مریض کے لئے اور روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ جبکہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر مریض کو روزہ رکھنے پر قدرت نہ ہو یا کسی عضو کی ہلاکت کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھنا واجب ہے اور اگر مشقت کے ساتھ روزہ رکھ سکتا ہے تو روزہ مباح ہے اور اگر روزہ رکھنے میں مشقت نہیں اور نہ ہی مرض کے بڑھنے کا اندیشہ ہے تو روزہ رکھنا بالاتفاق واجب ہے سوائے امام ابن سیرین کے کہ ان کے نزدیک اس صورت میں بھی افطار جائز ہے۔ (۳)

ایسی عورتیں جن پر روزے کی قضاء لازم ہے

حائضہ عورت

حائضہ و نفساء سے روزے کا ساقط ہونا۔ ایسی عورت کے لیے روزہ رکھنا منع ہے ان پر قضاء لازم ہے۔

((سألتُ عائشة ﷺ فقلتُ: ما بال الحائض تقضي الصوم ولا تقضي الصلاة؟ قالت: كان يُصِيبنا ذلك، فنُؤمَر بقضاء الصوم، ولا نؤمر بقضاء الصلاة)) (۴)

---

۱ سورۃ البقرۃ ۱۸۴

۲ سورۃ البقرۃ ۱۸۵

۳ فقہ الاسلامی: ج/۳، ص/۱۰۲، ۱۰۳

۴ سنن ابی داوَد، کتاب الطھارۃ، باب فی الحائض لا تقضی الصلاۃ (۲۶۳)

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کرتی ہیں کہ ایک حائضہ عورت ایام ماہواری میں جو روزے چھوڑتی ہے ان کی بعد میں قضا کرے گی ۔ لیکن نماز کی قضا نہیں کرتی ہیں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ ہم پر یہ حالت گزرتی تھی تو ہمیں یہ حکم تو دیا جاتا تھا کہ ہم روزوں کی قضاء کریں لیکن یہ حکم نہیں دیا جاتا تھا کہ نمازوں کی قضا بھی کریں۔

نفاس والی عورتیں

نفاس والی عورتوں کے لئے روزہ رکھنا منع ہے بعد میں ان پر قضاء لازم ہے۔[۱]

اس بارے میں فقہاء متفق ہیں کہ نفاس والی عورت پر قضاء ہے کفارہ نہیں۔

دودھ پلانے والی وحاملہ عورتیں

دودھ پلانے والی عورت دودھ پلانے کے زمانے میں اور حاملہ عورت دوران حمل میں غیر معمولی تکلیف محسوس کرے تو انھیں اس کی اجازت ہے کہ وہ روزہ چھوڑ دیں بعد میں انھیں ان روزوں کی قضاء ادا کرنی ہو گی۔ قضاء میں جتنی جلدی کرے اتنا ہی بہتر ہو گا۔ اگر اگلے رمضان شروع ہونے میں اتنے ہی دن باقی رہ گئے ہوں جتنے دن اس نے روزہ ترک کیا ہے تو پچھلے رمضان المبارک کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء واجب ہو جاتی ہے اسے لازمی طور پر چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کر لینی چاہئے۔[۲]

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾[۳]

جو کوئی تم میں سے بیمار یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی پوری کر لے، اور ان پر جو اس کی طاقت رکھتے ہیں فدیہ ہے ایک مسکین کا کھانا، پھر جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے، اور روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

۱ فقہ اسلامی: ۶۹۲/ ۲

۲ خواتین کے مخصوص مسائل، ص: ۱۱۱

۳ سورۃ البقرہ: ۱۸۴

((إنَّ اللهَ تبارك وتعالى وضَع عن المُسافِر شَطرَ الصَّلاةِ، وعن الحامِلِ والمرضِعِ الصَّومَ أو الصِّيامَ)) (۱)

اللہ تعالیٰ نے مسافر سے آدھی نماز ساقط کر دی ہے اور ان سے روزہ چھوڑنے کی اجازت بھی دے دی ہے۔

اسی طرح دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کو بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے اسی طرح قصدا کھانے پینے اور قصداً قے کرنے سے روزہ باطل ہو جاتا ہے اوراسکی قضاءواجب ہو جاتی ہے۔البتہ خود بخود قے ہو جائے تو روزہ کی نہ قضاء کرے اور نہ کوئی کفارہ ہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

روزوں کی قضا پوری کرنے کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول تھا کہ رمضان المبارک کے وہ روزے جو شرعی عذر کی بنا پر رہ جاتے تھے، انہیں علی الحساب ماہ شعبان میں رکھ لیتی تھیں۔ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی اس مہینے کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

”میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر مجھ پر رمضان کے روزوں کی قضا واجب ہوتی تو میں انہیں شعبان کے علاوہ قضا نہ کر سکتی۔ (۲)

اگر کسی نے رمضان کی قضاء میں اتنی تاخیر کر دی کہ دوسرا رمضان بھی شروع ہو گیا تو یہ اس کی دو صورتیں ہیں:

i. یہ تاخیر کسی عذر کی بنا پر ہو مثلاً اگر وہ مریض تھا اور دوسرا رمضان شروع ہونے تک وہ بیمار ہی رہا تو اس پر تاخیر کرنے میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ یہ معذور ہے اور اس کے ذمہ قضاء کے علاوہ کچھ نہیں لہذا وہ ان ایام کی قضاء کرے گا جو اس نے روزے ترک کیے تھے۔

ii. بغیر کسی عذر کے تاخیر کرنا، مثلاً اگر کوئی قضاء کرنا چاہتا ہو تو وہ کر سکتا تھا لیکن اس نے آئندہ رمضان شروع ہونے تک قضاء کے روزے نہیں رکھے۔

یہ شخص بغیر کسی عذر کے قضاء میں تاخیر کرنے پر گنہگار ہو گا اور علماء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس پر قضاء لازم ہے لیکن قضاء کے ساتھ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلانے میں اختلاف ہے کہ آیا وہ کھانا کھلائے یا نہیں؟

امام مالک، امام شافعی اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ کھانا ہے اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ بعض صحابہ کرام مثلاً ابوہریرہؓ اور ابن عباس سے یہ ثابت ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ قضاء کے ساتھ کھانا

---

۱ سنن النسائی، کتاب الصوم، باب وضع الصیام عن الحبلی والمرضع، الحدیث: ۲۳۱۷

۲ صحیح مسلم: کتاب الصیام، باب قضاء رمضان فی شعبان، رقم: ۱۱۴۶

کھلانا واجب نہیں ۔انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالی نے رمضان میں روزہ چھوڑنے والے کو صرف قضاء کا حکم دیا ہے اور کھانا کھلانے کا ذکر نہیں کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾[1]

اور جو کوئی مریض ہو یا مسافر وہ دوسرے ایام میں گنتی پوری کرے۔

ابراھیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی نے کوتاہی کی حتیٰ کہ دوسرا رمضان شروع ہو گیا تو وہ روزے رکھے گا اور اس کے ذمہ کھانا کھلانا نہیں اور ابو ہریرہ اور ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ کھانا کھلائے گا، پھر امام بخاری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کھانا کھلانے کا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ دوسرے ایام میں گنتی پوری کرے ۔[2]

شیخ ابن عثیمینؒ کھانا کے عدم وجوب کا فیصلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> صحابہ کرام کے اقوال جب قرآن مجید کے ظاہر اخلاف ہوں تو اسے حجت ماننا محل نظر ہے اور یہاں کھانا کھلانا قرآن مجید کے ظاہر اخلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو صرف دوسرے ایام میں گنتی پوری کرنا واجب قرار دیا ہے اس سے زیادہ کچھ واجب نہیں کیا تو اس بنا پر ہم اللہ کے بندوں پر وہ لازم نہیں کرینگے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر لازم نہیں کیا لیکن اگر دلیل مل جائے تو پھر تاکہ ذمہ سے بری ہو سکیں حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ سے جو مروی ہے یہ ممکن ہے کہ اسے استحباب پر محمول کیا جائے نہ کہ وجوب پر، تو اس مسئلہ میں صحیح یہی ہے کہ اس پر روزوں سے زیادہ کسی چیز کو لازم نہیں کیا جائے گا، لیکن تاخیر کی بنا پر وہ گنہگار ضرور ہے۔[3]

((مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ أي غلبه فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ ، وَمَنْ اسْتَقَاءَ عَمْدًا فَلْيَقْضِ))[4]

جس کو قے آجاتی ہے اس پر قضاء واجب نہیں اور جو شخص قصداً قے کرے وہ قضاء کرے۔

فقہاء کی آراء

اگر کسی روزہ دار نے یہ سوچ کر کوئی چیز کھا یا پی لی یا جماع کر لیا کہ سورج غروب ہو چکا ہے یا ابھی صبح نہیں ہوئی ہے لیکن اس کا گمان غلط ثابت ہوا ہو تو اس پر قضاء واجب ہو گی جمہور علماء کرام کا یہی مسلک ہے۔اگر کوئی شخص

---

۱ سورۃ البقرۃ: ۱۸۵

۲ المجوع: ۶ / ۳۶۶ ،المغنی: ۴ / ۴۰۰

۳ الشرح الممتع: ۶ / ۴۵۱

۴ سنن الترمذی: ۷۲۰ و أبو داود، کتاب الصیام، باب الصائم یستقئ عامدا ۲۳۸۰

بھول کر کھاپی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اور نہ اس پر کوئی کفارہ ہے اور نہ کوئی قضاء کیونکہ اس کا روزہ برقرار ہے جمہور اسی کے قائل ہیں۔[1] آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَن نسِي وهو صائم فأكَل أو شرِب، فليُتِمَّ صومه؛ فإنما أطعَمه الله وسقاه))[2]

جو روزہ دار بھول کر اگر کھاپی لے تو اسے چاہیے کہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے۔

((من أفطر فی رمضان ناسیا فلا قضاء علیه ولا کفارة))[3]

اگر بھول کر کوئی رمضان میں روزہ کھولے تو اس پر قضاء اور کفارہ نہیں ہے۔

روزوں کا فدیہ

جو شخص رمضان کے جتنے روزے نہ رکھ سکے وہ ان میں سے ہر ایک روزے پر ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين﴾[4]

جو روزے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں وہ فدیہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔

اس کی تین صورتیں ہیں:

i. صبح اور شام دونوں وقت یا صبح کے دو کھانے یا شام کے دو کھانے یا افطار و سحر کے وقت کسی مسکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے۔

ii. کسی مسکین یا فقیر کو سوا کلو گیہوں یا اناج دے دے بعض کے نزدیک نصف صاع ڈیڑھ کلو گرام ہوتا ہے یا اس کی قیمت دے دے۔

iii. کسی مسکین کو جو یا کھجور یا کشمش کا ایک صاع دے دے۔ مالکیہ کے نزدیک کسی مسکین کو کھانے کے ایک مد سوا چھ سو گرام کا مالک بنا دیا جائے۔ جو عام طور پر فدیہ دینے والے شہر میں کھایا جاتا ہے جیسے گیہوں وغیرہ یا جس چیز کا زیادہ رواج ہو۔ شافعی مسلک کے مطابق فدیہ کی مقدار ایک مد ہے اور مد نصف مصری پیالہ کے

---

۱ سبل السلام، ۱۳۷/۴

۲ صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الصائم اذا اکل او شرب ناسیا: ۱۹۳۳

۳ صحیح ابن خزیمة، کتاب الصیام، ۲۳۹/

۴ سورۃ البقرۃ: ۱۸۴

برابر ہوتا ہے۔حنابلہ کے نزدیک روزے کے فدیے میں مسکین کو ایک مد گندم یا نصف صاع کھجور یا جو یا کشمش یا پنیر دیے جاسکتے ہیں اور صاع حنابلہ کے نزدیک مصری پیمانہ کے حساب سے دو پیالہ کے برابر ہے۔مگر اس سلسلے میں احناف کی رائے زیادہ بہتر ہے اور دور حاضر میں زیادہ قابل عمل ہے۔[1]

یہ آیت اس عمر دراز سن رسیدہ کے لیے ہے جس کی شفایابی کی امید نہ ہو۔اور وہ مریض جس کی بیماری کی وجہ سے شفاپانے کی بالکل امید نہ ہو وہ بوڑھے کے حکم میں ہیں ان پر قضا نہیں کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

فقہاء کی آراء

احناف کے نزدیک فدیہ نصف صاع گندم یا اس کی قیمت دینا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ شیخ فانی کی طرف سے ہو اور جمہور کے نزدیک شہر میں جو غلہ غالب امکان میں چلتا ہو اس کا ایک مد دینا واجب ہے۔[2]

عورتوں کے روزوں کی قضامیں تاخیر میں فقہاء کی آراء

قضاء رمضان کا پورا کرنا تاخیر کے ساتھ جائز ہے یعنی یہ واجب نہیں کہ شوال کے شروع ہی میں اسے پورا کرے بلکہ پورے سال میں جب چاہے ادا کرے۔امام ابو حنیفہ،امام مالک،امام شافعی،امام احمدؒ اور جمہور سلف وخلف کا مذہب یہ ہے کہ شعبان کے بعد تاخیر کرنا درست نہیں اس لیے کہ اس کے بعد رمضان ایسا مہینہ ہے کہ اس میں قضاء نہیں ہو سکتی۔

((عن عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قالت : (كَانَ يَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ ، فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَهُ إِلا فِي شَعْبَانَ ، وَذَلِكَ لِمَكَانِ رَسُولِ اللَّهِﷺ قال يحيى بن سعيد تعني الشغل من النبي أو بالنبي ﷺ))[3]

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میرے ذمہ رمضان المبارک کے کچھ روزے ہوتے تھے مگر میں شعبان کے سوا اور کسی مہینے میں قضاء کے یہ روزے نہ رکھ پاتی تھی۔

احناف اور حسن بصریؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی نے رمضان کی قضاء اتنا مؤخر کر دی کہ دوسرا رمضان آگیا تو اس رمضان کا روزہ رکھنے کے بعد گزشتہ رمضان کی قضاء کرے گا اور کفارہ دینا اس پر واجب نہیں ہو گا گرچہ یہ تاخیر کسی عذر کے سبب ہو یا بغیر کسی عذر کے ہو۔لیکن امام مالک،امام شافعی،امام احمد اور امام اسحاق بن راھویہؒ کا

---

۱ فقہ السنہ،ص:۳۰۴

۲ الفقہ الاسلامی وادلتہ،ص/۱۰۶

۳ صحیح البخاری،کتاب الصوم،باب متی یقضی قضاء رمضان:1950

مذہب یہ ہے کہ اگر بغیر کسی عذر کے سبب تاخیر ہوئی تو قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہے۔[1] اگر کسی شخص کے ذمہ رمضان المبارک کے روزوں کی قضاء تھی لیکن اگلا رمضان المبارک آنے سے پہلے ہی فوت ہو گیا تو اس کے ذمہ کچھ نہیں اگر وہ رمضان جدید کے بعد فوت ہو گیا تو اگر قضاء کی تاخیر کا سبب کوئی شرعی عذر تھا تو اس کے ذمہ بھی کوئی روزہ نہیں اور بغیر عذر کے رمضان جدید آ گیا تو اس کے ترکہ سے ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کا کھانا بطور کفارہ لازم ہے۔ اگر کوئی شخص مر گیا اور اس کے ذمہ کسی کفارے کے روزے تھے۔[2] قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾[3]

اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

صوم میں رخصت کی حکمتیں

i. تقویٰ کا حصول

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[4]

اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزے فرض کئے گئے ہیں، جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

اہل ایمان پر سابقہ امتوں کی طرح روزے اس لئے فرض کئے گئے کہ وہ متقی اور پرہیزگار بن جائیں۔ گویا روزے کا مقصدِ عظمیٰ انسانی سیرت کے اندر تقویٰ کا جوہر پیدا کر کے اس کے قلب و باطن کو روحانیت و نورانیت سے جلا دینا ہے۔ روزے سے حاصل کردہ تقویٰ کو بطریق احسن بروئے کار لایا جائے تو انسان کی باطنی کائنات میں ایسا ہمہ گیر انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے جس سے اس کی زندگی کے شب و روز یکسر بدل کر رہ جائیں۔

تقویٰ انسان کو حرام چیزوں سے اجتناب کی تعلیم دیتا ہے لیکن اگر بنظر غائر قرآن و سنت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ روزے کی بدولت حاصل شدہ تقویٰ حرام چیزوں سے تو درکنار ان حلال و طیب چیزوں کے قریب بھی

---

۱ بدایۃ المجتہد ص:۲۵

۲ فتاویٰ برائے خواتین ص:۱۴۲

۳ سورۃ البقرۃ:۲۸۶

۴ سورۃ البقرہ:۱۸۳

بحالتِ روزہ پھٹکنے نہیں دیتا جن سے متمتع ہونا عام زندگی میں بالکل جائز ہے۔ ہر سال ایک ماہ کے اس ضبط نفس کی لازمی تربیتی مشق (Refresher Course) کا اہتمام اس مقصد کے حصول کے لئے ہے کہ انسان کے قلب و باطن میں سال کے باقی گیارہ مہینوں میں حرام و حلال کا فرق و امتیاز روا رکھنے کا جذبہ اس درجہ فروغ پا جائے کہ اس کی باقی زندگی ان خطوط پر استوار ہو جائے کہ ہر معاملے میں حکمِ خداوندی کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے وہ حرام چیزوں کے شائبے سے بھی بچ جائے۔

اگر تقویٰ کا مفہوم اچھی طرح سمجھ میں آجائے تو انسان کی زندگی سراسر خوف و خشیت الٰہی سے عبارت ہو جائے گی لیکن مقامِ افسوس ہے کہ ہم میں سے اکثر و بیشتر روزے کے ثمرات سے محض اس لئے محروم رہتے ہیں کہ ہمارا شعار روزے کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دینا بن گیا ہے اور آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہمارے ہاتھ سوائے بھوک و پیاس کی مشقت کے کچھ نہیں آتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

((کم من صائم لیس له من صیامه الا الظماء وکم من قائم لیس له من قیامه الا السھر))[1]

کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں کہ جن کو روزوں سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی قیام کرنے والے ایسے ہیں جن کو اپنے قیام سے سوائے جاگنے کے کچھ نہیں ملتا۔

ii. صبر و شکر

تقویٰ انسان کو صبر کی تعلیم دیتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کسی نعمت سے محرومی پر اپنی زبان کو شکوہ اور آہ و بکا کے بغیر خاموشی سے برداشت کرے۔ روزہ انسان کو تقویٰ کے اس مقامِ صبر سے بھی بلند تر مقامِ شکر پر فائز دیکھنے کا متمنی ہے۔ وہ انسان کے اندر یہ جوہر پیدا کرنا چاہتا ہے کہ نعمت کے چھن جانے پر اور ہر قسم کی مصیبت اور آزمائش کا سامنا کرتے وقت اس کی طبیعت میں ملال اور پیشانی پر شکن کے آثار پیدا نہ ہوں بلکہ وہ ہر تنگدستی میں خندہ پیشانی سے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا رہے۔

اس ضمن میں دو صاحب حال بزرگوں کے واقعہ کا تذکرہ خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ طویل جدائی کے بعد جب وہ ملے اور ایک دوسرے کا حال پوچھا تو ایک نے کہا کہ اپنا حال تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نعمت سے نوازتا ہے تو اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور صبر سے کام لیتے ہیں۔ دوسرے بزرگ نے کہا یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ ہمارے شہر کے کتوں کا بھی

---

۱ مشکوۃ المصابیح، کتاب الصوم، باب تنزیہ الصوم، الفصل الثانی، ۱۷۷/ ۲۰۱۴

یہی حال ہے۔ وہ مالک کے در پر پڑے رہتے ہیں۔ اگر کچھ مل جائے تو دُم ہلا کر اس کے آگے پیچھے جاتے ہیں اور اگر کچھ نہ بھی ملے تو اسے چھوڑ کر کسی اور در پر نہیں جاتے۔ پھر فرمایا کہ اپنا حال یہ ہے کہ جب مولا سے کچھ ملتا ہے تو اس کے بندوں میں بانٹ دیتے ہیں اور کچھ نہ ملے تو ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتے رہتے ہیں۔

روزہ چونکہ کھانے پینے اور نفسانی شہوت سے اپنے آپ کو روکے رکھنے کا نام ہے۔ روزہ کی حالت میں انسان اللہ تعالی کی نعمتوں کو اپنے اوپر روک لیتا ہے۔ جب آدمی ایک خاص مدت تک نعمتوں سے دور رہے تو پھر اس کی قدر کا پتا چلتا ہے۔ بالعموم نعمت کی اہمیت اور قدر کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کی قدر تب ہوتی ہے جب وہ مفقود ہو جائے۔ پس یہ نعمت کی پہچان اور اس کی قدر کا جاننا اس کے حق کی ادائیگی کو واجب کر دیتا ہے۔ اور حق کی ادائیگی شکر سے ہوتی ہے۔ جو عقلاً اور شرعاً فرض ہے۔ اسی لئے اللہ تعالی نے آیاتِ صوم میں **لعلکم تشکرون** کے ذریعے تشکر کی ضرورت و اہمیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

iii. جذبہ ایثار

روزہ انسان کو بھوک اور پیاس کے کرب سے گزارتا ہے تو لامحالہ اس کے دل میں ایثار، بے نفسی اور قربانی کا جذبہ تقویت پکڑتا ہے اور وہ عملاً اس کیفیت سے گزر کر جس کا سامنا انسانی معاشرہ کے مفلوک الحال اور نانِ شبینہ سے محروم لوگ کرتے ہیں کرب و تکلیف کے احساس سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ حقیقت میں روزہ اللہ تعالیٰ سے اپنے آسودہ حال بندوں کو ان شکستہ اور بے سروسامان لوگوں کی زبوں حالی سے کماحقہ آگاہ کرنا چاہتے ہیں جو اپنے تن و جان کا رشتہ بمشکل برقرار رکھے ہوئے ہیں تاکہ ان کے دل میں دکھی اور مضطرب انسانیت کی خدمت کا جذبہ فروغ پائے اور ایک ایسا اسلامی معاشرہ وجود میں آسکے جس کی اساس باہمی محبت و مروت، انسان دوستی اور دردمندی و غم خواری کی لافانی قدروں پر ہو۔ اس احساس کا بیدار ہو جانا روزے کی روح کا لازمی تقاضا ہے اور اس کا فقدان اس امر کی غمازی کرتا ہے کہ روزے میں روح نام کی کوئی چیز باقی نہیں۔

تزکیہ نفس

روزہ انسان کے نفس اور قلب و باطن کو ہر قسم کی آلودگی سے پاک کردہ ہے۔ انسانی جسم مادے سے مرکب ہے، جسے اپنی بقا کے لئے غذا اور دیگر مادی لوازمات فراہم کرنا پڑتے ہیں جبکہ روح ایک لطیف چیز ہے جس کی بالیدگی اور نشوونما مادی ضروریات اور دنیاوی لذات ترک کر دینے میں مضمر ہے۔ جسم اور روح کے تقاضے ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ روزہ جسم کو اپنا پابند اور منقاد بنا کر مادی قوتوں کو لگام دیتا ہے جس سے روح لطیف تر اور قوی تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ جوں جوں روزے کی بدولت بندہ خواہشاتِ نفسانی کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے اس کی روح

غالب و توانا اور جسم مغلوب و نحیف ہو جاتا ہے۔ روح اور جسم کا تعلق پرندے اور قفس کا سا ہے جیسے ہی قفسِ جسم کا کوئی گوشہ وا ہوتا ہے روح کا پرندہ مائل بہ پرواز ہو کر، موقع پاتے ہی جسم کی بندشوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ مسلسل روزے کے عمل اور مجاہدے سے تزکیہء نفس کا عمل تیز تر ہونے لگتا ہے جس کی وجہ سے روح کثافتوں سے پاک ہو کر پہلے سے کہیں لطیف تر اور قوی تر ہو جاتی ہے۔

آپ ﷺ کے تربیت یافتگان میں زہد و ورع اور تقویٰ کی بنا پر اصحابِ صفہ کو امتیازی مقام حاصل ہے۔ ان کی زندگیوں پر فقر مصطفیٰ ﷺ کی نمایاں چھاپ تھی جو فقر اضطراری نہیں بلکہ فقر اختیاری تھا۔ روزے سے فقر و فاقہ کی جو شان استغناء جنم لیتی ہے وہ تونگری سے کہیں اعلیٰ مقام و رفعت کی حامل ہے۔ اپنے آپ کو خالی رکھ تاکہ تیرے اندر معرفت کا نور آئے۔ نفس امارہ انسان کو برائی پر اکساتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ﴾ (۱)

بے شک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے۔

نفس امارہ کو قابو میں رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بعض اوقات اپنے نفس کو جائز اور حلال خواہشوں سے بھی روکیں تاکہ ناجائز اور حرام کی طرف جرات ہی نہ کر سکے۔ اس کا اثر یہ ہو گا کہ اس تربیت سے اس کی عادت بھی بدل جائے گی اور بری باتوں کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جائے گا۔ پس جب اس تربیت کے لئے اللہ تعالی نے ہمیں رمضان المبارک کا مہینہ عطا کیا ہے جس میں انسان دن کے وقت حلال چیزیں کھانے پینے اور جماع سے باز رہتا ہے۔ تو پھر وہ حرام جو کہ ہر حالت میں حرام ہے تو اس دوران پھر اسکی طرف رغبت اور میلان کس طرح ممکن ہے۔ اگر انسان ایک طرف زہر کے اثر کو مٹانے کے لئے دعا بھی کرے تو دوسری طرف زہر کا استعمال بھی کرے تو ایسی صورت میں دوا کا اثر کس طرح ممکن ہے؟ اس لئے روزہ کا مقصود تبھی حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنے نفس کو پاک اور منزہ کرے۔

iv. رضائے الٰہی کا حصول

روزے کا مقصد اللہ کی رضا کا حصول ہے اللہ اپنے بندے کو وہ تمام روحانی مدارج طے کرانے کے بعد مقام رضا پر فائز دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ مقام رضا کیا ہے؟ جو روزے کے توسط سے انسان کو نصیب ہو جاتا ہے اس کی اہمیت کا احساس اجاگر ہوتا ہے رب کا اپنے بندے سے راضی ہو جانا اتنی بڑی بات ہے کہ اس کے مقابلے میں باقی سب نعمتیں

---

۱ سورۃ یوسف: ۵۳

ہیچ دکھائی دیتی ہیں۔ روزہ وہ منفرد عمل ہے جس کے اجر و ثواب کا معاملہ رب اور بندے کے درمیان چھوڑ دیا گیا کہ اس کی رضا حد و حساب کے تعین سے ماوراء ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے کب اور کیسے راضی ہوتا ہے اور اس بات کی کیا علامت ہے کہ رب اپنے بندے سے فی الواقعہ راضی ہو گیا ہے۔ اس بارے میں ایک بزرگ نے اپنے مرید سے پوچھا تمہیں کس طرح پتا چلے گا کہ اللہ تم سے راضی ہو گیا ہے۔ اس نے نہایت ادب سے جواب دیا:

((إذا وجدتُ قلبی راضیاً عن اللہ تعالیٰ علمتُ أنه راضٍ عنی)) (۱)

جب میں نے اپنے دل کو اپنے رب کے ساتھ راضی پایا تو میں سمجھ گیا کہ اللہ مجھ سے راضی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا کی پہچان یہ ہوئی کہ بندہ اپنے معاملات کی طرف نگاہ ڈالے اور اپنے دل سے سوال کرے کہ کیا وہ اپنے رب سے راضی ہے؟ اس طرح اللہ اور بندے کی رضا باہم مربوط اور لازم ہے۔ اس دوگونہ تعلق میں تاہم یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ رب کی رضا اپنے بندے کے معاملے میں بہر حال مقدم ہے اور جب تک وہ راضی نہ ہو گا بندے کا رب کی رضا کے بارے میں مطمئن ہونا ممکن نہیں ہے اور بندے کی رضا اپنے رب سے لامحالہ موخر ہو گی۔ قرآن مجید نے اس تصور کو راضیۃ مرضیہ کے بلیغ الفاظ سے بیان کیا ہے۔ جب تک خدا کی ذات بندے کی تلاش و جستجو اور طلب کا محور تھی اس بندے کی حیثیت محب اور طالب کی تھی لیکن جب وہ خود ذاتِ خداوندی کا محبوب و مطلوب بن گیا تو اسے اللہ کے پسندیدہ ہونے کا مقام نصیب ہو گیا جس کی بنا پر وہ نہ صرف اللہ بلکہ کائنات کا مدعا اور مقصود بن گیا۔ اس مقام پر اللہ کی رضا قدم بہ قدم بندے کے شاملِ حال ہو گئی اور اسے زبان سے کچھ کہنے کی حاجت نہ رہی۔

۱/ الرسالة القشيرية : ۱۹۴

فصل ثانی:

صوم میں تخفیف کی صورتیں اور حکمتیں

حیض و نفاس والی عورت کے روزوں میں تخفیف

حیض و نفاس والی عورت کے لئے روزہ نہ رکھنا واجب ہے لہذا اگر روزہ دار عورت کو حیض شروع ہو جائے یا نفاس کا خون آجائے یعنی زچگی ہو جائے تو اس عورت کا روزہ فسخ ہو جائے گا اور ایسی حالت میں روزہ رکھنا حرام ہے اگر روزہ رکھے گی تو اس کا روزہ باطل ہو گا۔

((ان الحائض تقضي الصيام ولا تقضي الصلاة)) [۱]

حضرت ابو سعید خدریؓ نے کہا آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں یعنی ایسا ہے کہ جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزہ رکھ سکتی ہے اور ان کے دین میں کمی کی یہی وجہ ہے۔
یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔

نفاس والی عورت کے لیے تخفیف

نفاس کی اکثر مدت ابتداء ولادت یا اس سے دو یا تین دن پہلے سے چالیس دن ہے۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ

((كانت النفساء تجلس على عهد رسول الله ﷺ أربعين يوماً)) [۲]

نفاس والی عورتیں آپ ﷺ کے زمانے میں چالیس دن نفاس کی مدت میں بیٹھا کرتی تھیں۔
اور اس کی مدت کی کوئی حد نہیں ہے کیونکہ اس سلسلے میں کوئی حد وارد نہیں ہوئی ہے اور اگر چالیس دن مکمل ہو جائے اور خون کا آنا بند نہ ہو تو اگر یہ حیض کی سابقہ عادت کے مطابق ہو تو اسے حیض مانا جائے گا ورنہ اسے استحاضہ کا خون تصور کیا جائے گا۔ اور جب نفاس والی عورتیں چالیس دن سے قبل پاک ہو جائیں تو ان پر رمضان المبارک کے روزے رکھنا واجب ہے اور اگر چالیس دنوں کے اندر خون دوبارہ آنا شروع ہو جائے تو اس پر روزہ چھوڑنا واجب ہو گا۔[۳] اگر حیض والی عورت کو رمضان المبارک کے دن میں خون کے معمولی قطرے نظر آئیں تو اس حالت میں روزہ رکھنا صحیح

---

۱ رواہ البخاری، کتاب الصوم، باب الحائض ترک الصوم والصلاۃ: ۱۹۵۱

۲ سنن الترمذی، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی کم تمکث النفساء: ۱۳۹

۳ فتاویٰ برائے خواتین، ص: ۹۲

ہے اور اور خون کے قطرات کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اگر ولادت سے ایک یا دو دن پہلے دردزہ کے ساتھ خون آئے تو یہ نفاس کا خون ہو گا اور عورت نماز و روزہ ترک کر دے گی لیکن اگر خون بنا درد کے آرہا ہے تو یہ بیماری کا خون ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ (۱) یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کے لیے تخفیف

دودھ پلانے والی عورت کا بچہ جب تک کھانے پینے نہ لگ جائے تو اس پر روزہ واجب نہیں۔ ایسے ہی حاملہ جب تک ولادت نہ ہو جائے تو اس پر روزہ واجب نہیں ہوتا۔ حاملہ عورت کا روزہ نہ رکھنا جائز ہے بشرطیکہ اپنی یا اپنے بچے کی مضرت کا خوف ہو یا ایک ساتھ دونوں کو نقصان کا خوف ہو یا عقل میں فطور آجانے کا اندیشہ ہو مثلاً اگر حاملہ عورت کو یہ خوف ہو کہ روزہ رکھنے سے خود اپنی اپنی دماغی وجسمانی کمزوری انتہا کو پہنچ جائے گی یا ہونے والا بچہ کی زندگی اور صحت پر اس کا برا اثر پڑے گا یا خود کسی بیماری وہلاکت میں مبتلا ہو جائے گی تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ روزہ قضاء کرے۔

اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کو بھی روزہ نہ رکھنا جائز ہے خواہ وہ بچہ اسی کا ہو یا کسی دوسرے کے بچے کو بااجرت یا مفت دودھ پلاتی ہو۔ حدیث میں مطلقاً دودھ پلانے والی عورت کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے چاہے وہ ماں ہو یا دائیہ۔ حیض والی اور بچہ جنم دینے والی عورت کیلئے خون آنے تک روزہ چھوڑنے کا حکم ہے اور جیسے ہی خون بند ہو جائے روزہ رکھنا شروع کر دے۔ کبھی کبھی چالیس دن سے پہلے ہی پاک ہو جاتی ہیں تو پاک ہونے پر روزہ ہے۔ عورت کیلئے مانع خون دوا استعمال کرنے سے بہتر ہے طبعی حالت پر رہے۔ حیض اور نفاس کے علاوہ خون آئے تو اس سے روزہ نہیں توڑنا بلکہ روزہ جاری رکھنا ہے۔

مرضعہ وحاملہ کا حکم

بچے کو دودھ پلانے والی عورت اور حاملہ عورت کو جب اپنے لئے یا بچے کیلئے روزہ کے سبب خطرہ لاحق ہو تو روزہ چھوڑ سکتی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((إن الله وضع عن المسافر الصوم وشطر الصلاة وعن الحبلى والمرضع الصوم)) (۲)

---

۱ خواتین کے مخصوص مسائل، ص:۲۹/ ۲۲

۲ سنن النسائی، کتاب الصوم، باب وضع الصیام عن الحبلی والمرضع الحدیث:۲۳۱۷

اللہ تعالیٰ نے مسافر کیلئے آدھی نماز معاف فرمادی اور مسافر اور حاملہ اور دودھ پلانے والی کو روزے معاف فرمادی۔

فقہاء کی آراء

جب عذر کی وجہ سے عورت روزہ چھوڑدے تو بعد میں اسکی قضا کرے یا کفارہ ادا کرے حاملہ و مرضعہ کے تعلق سے فدیہ کا ذکر ملتا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔حاملہ اور مرضعہ دودھ پلانے والی عورت کے سلسلے میں چاروں مسالک کے علماء کرام کا اجماع ہے کہ حاملہ پیٹ سے ہونے والی عورت یا دودھ پلانے والی عورت کو نقصان کا خوف ہو تو اس کے لیے روزہ نہ رکھنا جائز ہے خواہ یہ خوف دونوں کو نقصان پہنچنے کی وجہ سے ہو یا اپنے آپ کو یا صرف بچے کو ہر حالت میں روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔[1] حنفیہ کے نزدیک صرف قضاء لازم ہے کفارہ نہیں ہے۔شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قضاء لازم کے ساتھ فدیہ لازم ہے۔مالکیہ کے نزدیک صرف مرضعہ پر قضاء کے ساتھ فدیہ لازم ہے۔ جبکہ حاملہ پر فدیہ لازم نہیں۔حامل اور مرضعہ کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ ان کے لئے افطار جائز ہے۔امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر صرف قضاء ہے فدیہ نہیں۔امام احمد و شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قضاء بھی کریں گی اور فدیہ بھی دیں گی۔امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ حاملہ پر قضاء ہے فدیہ نہیں جبکہ مرضعہ پر قضاء بھی ہے اور فدیہ بھی۔

مسافر کے لیے روزے میں تخفیف

مسافر کے لئے سفر میں روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔لیکن اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں روزہ رکھ لے تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ آپ ﷺ سے اور صحابہ کرامؓ سے دونوں عملاً ثابت ہیں لیکن اگر سخت گرمی ہو اور مشقت زیادہ محسوس ہو رہی ہو تو روزہ نہ رکھنا بہتر ہے۔ اگر ایسی صورت میں روزہ رکھا گیا تو وہ مکروہ ہو گا۔حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

((آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ سفر میں روزے سے ہے، سخت گرمی کی وجہ سے اسکے اوپر سایہ ڈالا گیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا! سفر میں روزہ رکھنا بھلائی نہیں ہے))۔[2]

اس لیے ایسی حالت میں روزہ رکھنا مکروہ ہے۔اگر سفر گاڑی، کشتی، پانی کے جہاز سے اور ہوائی جہاز سے سفر کرنے والے میں کوئی فرق نہیں کیونکہ سفر کا لفظ ہر ایک کو شامل ہے اور ہر کوئی سفر کی تخفیف سے فائدہ اٹھائے گا۔

---

۱ فقہ السنہ، ص:۲۷۸

۲ صحیح بخاری:۱۹۴۶

اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے سفر میں اپنے بندوں کے لیے تخفیف اور آسانی رکھی ہے، االلہ تعالی کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ بعد میں حالات میں کیا کیا تبدیلیاں آئیں گی اور کیسے کیسے وسائل سفر کے لیے ایجاد ہوں گے وہ اپنے بندوں کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا بلکہ ان کے لیے آسانی چاہتا ہے۔اس لیے اگر حالات اوروسائل سفر کے مختلف ہونے سے احکام بدل بھی جائیں تو اللہ تعالی نے اس بات پر متنبہ کیا ہوا ہے۔ اللہ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾[1]

ہم نے آپ پر کتاب قرآن نازل کیا، جو ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے اور اس میں مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

﴿وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ﴾[۲]

اوراس نے گھوڑے، خچر اور گدھے تمہاری سواری اور زینت کے لئے پیدا کئے، اوروہ چیزیں پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔

حکمتیں

عورت کے لیے ایام حیض میں روزہ نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک بیماری ہے جو کہ ایک تکلیف کا باعث ہے اس لیے یہاں تخفیف رکھ دی گئی ہے کہ ان ایام میں روزہ نہ رکھے جب پاک ہو جائے تو روزہ رکھے۔اگر ان ایام میں حیض کے روزے بھی ساقط کر دیے جائیں تو پھر ان کی نظیر کا تدراک نہیں ہو سکتا اور روزے کی مصلحت اس سے فوت ہو جاتی ہے اس لیے یہ پاک ہو کر روزہ رکھے گئی۔ تاکہ اس کو روزہ کی مصلحت حاصل ہو جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

اسی طرح مسافر کے لیے روزہ میں تخفیف اس لیے رکھی گئی ہے کہ سفر ایک مشکل، مصائب و محنت اور تکلیف پر مشتمل ہے۔اس لیے اللہ نے مسافر کے لیے روزے میں تخفیف رکھ دی کہ وہ روزہ نہ رکھے۔جب اس کا سفر ختم ہو جائے تو پھر روزہ رکھے۔

---

۱ سورۃ النحل:۸۹

۲ سورۃ النحل:۸

فصل ثالث:

زکوٰۃ میں رخصت کے اسباب اور حکمتیں

زکوٰۃ کے لغوی معنیٰ

زکوٰۃ کے لغوی معنی پاک ہونا، بڑھنا، نشو ونما پانا، طہارت، برکت اور بڑھنے کے ہیں۔[1]

اصطلاحی مفہوم

صاحب نصاب کا اپنے مخصوص مال کو خاص شرائط کے ساتھ خاص شرح کے مطابق ادا کرنا زکوۃ کہلاتا ہے۔اپنے مال کی معین مقدار کے حصہ کو جس کو شریعت نے مقرر کیا ہے کسی ایسے شخص کو مالک بنانا جو اس کا مستحق ہو۔زکوٰۃ کو صدقہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ فعل اپنے مال کا ایک حصہ نکالنے والے کے ایمانی دعوی کی صحت اور صداقت پر دلیل کرتا ہے۔[2]

زکوٰۃ کی اہمیت

زکوٰۃ دین اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔اس کا درجہ فرضیت کا ہے۔ زکوۃ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں نماز اور زکوٰۃ کا ایک ساتھ ۳۲ مرتبہ ذکر آیا ہے۔[3] ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾[4]

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور آپ ﷺ کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس مذکورہ آیت میں نماز کی ادائیگی کے ساتھ زکوٰۃ کو ادا کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ جس طرح نماز فرض ہے، اس طرح صاحبِ مال پر زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے اور ادا نہ کرنے پر سخت عذاب کی وعید ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا

---

1 فیروز اللغات،۷۰۹

۲ مظاہر حق جدید، ص: ۴۸۳ ،ج ۲/ کتاب الفقہ، باب الزکوۃ ص/ ۹۵۸ ،ج /۱

۳ ردالمختار، کتاب الزکاۃ، ج/ ۳/ ص/ ۲۰۲

۴ سورۃ النور:۵۶

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍيَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴾ (۱)

اے ایمان والو! بہت سے عالم اور درویش لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجیے۔ جس دن اس خزانے کو آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس دن ان کی پیشانیوں اور پہلو اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ خزانہ جسے تم نے اپنے لیے تیار کر رکھا تھا۔ پس آج اپنے خزانوں کا مزہ چکھو۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ البینۃ میں نماز کی ادائیگی کے ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی کو فرض قرار دیا ہے۔ جس طرح نماز مردوں پر فرض ہے خواتین سے بھی اس کی ادائیگی کا مطالبہ فرضیت سے کیا گیا ہے اور یوں اس طرح عورتوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی کا بھی حکم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۖ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (۲)

اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو اور نماز ادا کرتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت گزاری کرو۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ، اے نبی کی گھر والیو! تم سے وہ ہر قسم کی گندگی کو دور کر دے اور تمھیں خوب پاک کر دے۔

آپ ﷺ شارع کتاب اللہ ہیں اس فرض کو آپ ﷺ نے اپنے ارشاد رُکن اسلام قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((بنِيَ الإِسْلامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لا إِلَهَ إِلا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَان)) (۳)

---

۱ سورۃ التوبہ: ۳۴/۳۵

۲ سورۃ الاحزاب: ۳۳

۳ صحیح بخاری: ۸

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ یہ گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا۔ اور حج کرنا (جو اس کی استطاعت رکھتا ہو۔

آپ ﷺ سے روایت ہے کہ پانچ نمازیں پڑھو اور روزے رکھو (رمضان کے) اور اپنے مالوں سے زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے رب کے گھر کا حج کرو۔ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (۱)

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق ابو سفیان نے اپنا واقعہ جو ہرقل بادشاہ کے دربار میں پیش آیا تھا بیان کیا کہ آپ ﷺ کے بارے میں کہ وہ نماز پڑھنے کا اور زکوٰۃ دینے اور صلح رحمی اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں۔ (۲)

قرآن مجید میں نہ صرف صدقہ زکوٰۃ کا حکم اور فضائل بیان کیے گئے ہیں بلکہ اس کے مصارف کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔

مصارف زکوٰۃ

قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے مصارف زکوٰۃ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ (۳)

بے شک صدقہ صرف فقیروں کے لیے دیں اور مسکینوں کے لیے اور اُن کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پر چائے جاتے ہیں اور گردن چھڑانے میں اور قرضداروں کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور راہرو مسافروں کے لیے فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

مصارف زکوٰۃ کی تفصیل

قرآن مجید کی رو سے مصارف زکوٰۃ آٹھ (۸) ہیں۔

---

۱ ابن حنبل، مسند امام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبل، مکتبہ الاسلام، بیروت، ۱۳۹۸ھ، ج:۵، ص:۲۵۱

۲ ایضاً" ج۵، ص۲۵۱

۳ سورۃ التوبہ: ۶۰

جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

مفلس اور غریب

جنہیں عربی میں فقیر کہتے ہیں، بشرطیکہ وہ صحت مند اور کمانے کے لائق نہ ہوں۔ یا پھر واقعی کوشش کے بعد بھی اپنی بنیادی ضروریات پوری نہ کر پا رہے ہوں۔

مساکین

جنہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر زکوٰۃ پہنچانا ہم پر لازم ہے۔ عزت دار خوددار ہوں، کسی کو اپنی مشکل نہ بتاتے ہوں، خواہ پیٹ خالی ہو۔

عاملین زکوٰۃ

زکوٰۃ جمع کرنے والے، اُس کی حفاظت، حساب اور تقسیم کا انتظام کرنے والے اسٹاف کی تنخواہوں کے لیے، اسلام میں زکوٰۃ جمع کرنا اور اسے تقسیم کرنا مملکت کی ذمہ داری ہے۔ ورنہ نہ عاملین زکوٰۃ ہوتے نہ اُن کی تنخواہیں زکوٰۃ سے دینے کا حکم ہوتا۔

قرض کی ادائیگی

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز بیت المال کے فاضل مال سے مسلم غیر مسلم سب کاشتکاروں کو زرعی قرضے دیتے۔ بنجر زمین کو قابل کاشت بنانے کی تدابیر کرتے اور ایسے افراد کی مدد کرنے کا حکم دیتے جنہوں نے شادی کی ہو لیکن اُن کے پاس نقد نہ ہو اور یہ سب قرض حسنہ ہوتا۔[۱]

غلاموں کی مدد

آپ ﷺ کے دور میں جنگی قیدیوں کے لیے کوئی جیل تو تھی نہیں، رواج یہی تھا کہ انھیں غلام بنا کر مجاہدین میں تقسیم کر دیتے قرآن ان کے بارے میں یوں تعلیم دیتا ہے:

﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ٥ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ٥ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴾[۲]

---

۱ ابوعبید القاسم بن اسلام، کتاب الاموال، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ص:۲۰۱

۲ الدہر، ۸:تا ۱۰

یہ لوگ اللہ کی محبت میں یتیم، مسکین اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو تمھیں اللہ ہی کی رضا کے لیے کھلاتے پلاتے ہیں۔ جواب میں تم سے کسی بدلے کے یا شکر گزاری کی امید نہیں رکھتے۔ ہم تو اپنے رب سے اُس دن کے لیے ڈرتے ہیں جو ایک سخت عذاب کا طویل دن ہو گا۔

حج اور جہاد فی سبیل اللہ

آپ ﷺ نے دو چیزوں، حج اور جہاد کو فی سبیل اللہ قرار دیا ہے۔ زکوٰۃ سے جہاد کے اخراجات پورے کرنے میں ہتھیار، جدید ٹیکنالوجی، مجاہدین کے اخراجات، سبھی آجاتا ہے۔ پھر ہر ایسی کوشش جس کا مقصد اللہ کے دین کی تبلیغ، دفاع اور کسی بھی لحاظ سے دینی خدمت ہو، سب جہاد میں شامل ہیں۔ اشاعت دین کے کاموں کے لیے تعلیم اور کتب سے لے کر آج کے دور کے (Computer,Mobilephone) کمپیوٹر، موبائل فون اور USB۔ ان کی تیاری، تقسیم اور ہر قسم کی تبلیغی کوشش سے لے کر مسلمان سائنس دان تیار کرنے اور جدید مشینیں خود بنا لینے کے لیے تعلیم اور سرمایہ فراہم کرنے تک، اسلام اور مسلمانوں کو مضبوط کرنے کی ہر کوشش فی سبیل اللہ میں ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ [1]

جہاں تک تمھارا بس چلے، ان سے مقابلہ کے لیے زیادہ سے زیادہ طاقتور گھوڑے اور ہتھیار تیار رکھو جن سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر اپنا رعب قائم رکھ سکو۔ اور ان کے سواروں کو بھی۔ جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں خوب جان رہا ہے جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں صرف کرو گے وہ تمھیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا حق نہ مارا جائے۔

مسافر

مسافر کو اگر کوئی ضرورت پڑ جائے تو اس کے لیے بھی زکوٰۃ جائز ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ اپنے گھر میں خود زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور کتنا ہی مالدار کیوں نہ ہو۔ یہ پڑھتے ہوئے اس بات کا خیال رکھیں کہ آپ ﷺ کے زمانے میں

---

1 سورۃ الانفال:٦٠

سفر اونٹوں اور گھوڑوں پر ہوتا تھا۔ اگر ایک دن ایک شخص نکلتا تو مہینوں بعد گھر والوں کو اس کی شکل دکھائی دیتی تھی۔ آج کے دور کی طرح وہ موبائل فون اور ای میل (Mobile phone and email) سے گھر والوں سے رابطہ نہیں رکھ سکتا تھا۔

مؤلفۃ القلوب

مؤلفۃ القلوب سے مراد ایسے لوگ جو غیر مسلم ہیں، اُن کی دل جوئی کرنا مطلوب ہو اور اسلام کی رغبت دلانا مقصود ہو۔

زکوٰۃ میں رخصت کے اسباب اور حکمتیں

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا بنیادی رکن ہے۔ اس میں رخصتوں کے اسباب درج ذیل ہیں۔

سفر

مسافر کے لئے افطار کا جواز، زکوۃ کے پیسے سے اس کی مدد کرنا وغیرہ کا سبب سفر ہے۔

ہلاکت مال

کل مال کے ہلاک ہونے کی صورت میں زکوۃ کا سقوط ہلاکت مال ہے۔

i. وقت سے پہلے زکوۃ ادا کرنا

وقت سے پہلے بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا وقت سے پہلے بھی زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے؟ آپ ﷺ نے اس چیز میں رخصت عطا فرمائی۔[1]

ii. عاملین زکوۃ کو زکوۃ کھانے کی رخصت

غنی آدمی کے لئے زکوٰۃ کا مال حرام ہے تاہم اگر زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی پر مقرر کوئی غنی ہے تو وہ بھی زکوٰۃ کے مال سے کھا سکتا ہے۔ اس کے لئے ایسی صورت حلال ہو گئ آپ ﷺ نے فرمایا:

((النبي ﷺ في تعجيل صدقته قبل ان تحل، فرخص له في ذلك"، قال مرة:" فاذن له في ذلك". قال ابو داود: روى هذا الحديث هشيم، عن منصور بن

---

[1] سنن ابی داوٗد، الزکوۃ باب فی تعجیلِ الزّکاۃ: ۱۶۲۴

زاذان، عن الحكم، عن الحسن بن مسلم، عن النبي ﷺ، وحديث هشيم اصح)) [۱]

مال دار شخص کے لیے پانچ صورتوں کے علاوہ صدقہ حلال نہیں۔ فی سبیل اللہ جہاد کرنے والا، زکوٰۃ کا مال اکھٹا کرنے والا، مقروض شخص، وہ شخص جو اپنے مال سے صدقے کی کوئی چیز خرید لے، مسکین پر جو چیز صدقہ کی گئی ہو وہ اس سے کچھ مال دار کے لیے تحفہ بھیج دے۔

فقہاء کی آراء

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک غنی آدمی وہ ہے جس کی ملکیت میں پچاس درھم ہوں۔ حنفیہ کے نزدیک غنی آدمی وہ ہے جو مال نصاب کا مالک ہو۔ امام مالکؒ مالداری کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ یہ مجتہد فیہ ہے۔ [۲]

iii. بیوی کا اپنے خاوند کو زکوٰۃ دینا

خاوند اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا کیونکہ بیوی کا نان ونفقہ خاوند کے ذمے ہوتا ہے۔ اگر خاوند زکوٰۃ کا مستحق اور محتاج ہو تو بیوی اپنے خاوند کو اپنے ذاتی مال وزیورات سے زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

زکوٰۃ کا مستحق وہ مسلمان ہے جس کے پاس اس کی بنیادی ضرورت و استعمال (یعنی رہنے کا مکان، گھریلو برتن، کپڑے وغیرہ) سے زائد، نصاب کے بقدر (یعنی صرف سونا ہو تو ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی موجودہ قیمت کے برابر) مال یا سامان موجود نہ ہو اور وہ سید / عباسی نہ ہو۔

لہذا اگر مذکورہ شخص زکوٰۃ کا مستحق ہو تو وہ بیوی کے مال کی زکوٰۃ کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے۔ [۳]

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا:

آپ ﷺ عید الاضحی یا عید الفطر میں عید گاہ تشریف لے گئے۔ پھر نماز کے بعد لوگوں کو خطاب فرمایا اور صدقہ کا حکم دیا۔ آپ ﷺ فرمایا: لوگو! صدقہ دو۔ پھر آپ ﷺ عورتوں کی طرف گئے اور ان سے بھی یہی فرمایا کہ عورتو! صدقہ دو کہ میں نے جہنم میں بکثرت تم ہی کو دیکھا ہے۔ عورتوں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ایسا کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس لیے کہ

---

۱ سنن ابی داؤد ،الزکاۃ ،باب من یجوز له اخذ الصدقه وھو غنی: ۱۲۳۲

۲ فقہ الاسلامی: ج/۳، ص/۲۸۵

۳ الفتاوی الهندیة (۱/ ۱۸۹)

تم لعن وطعن زیادہ کرتی ہو اور اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے تم سے زیادہ عقل اور دین کے اعتبار سے ناقص ایسی کوئی مخلوق نہیں دیکھی جو کار آزمودہ مرد کی عقل کو بھی اپنی مٹھی میں لے لیتی ہو۔ ہاں اے عورتو! پھر آپ ﷺ واپس گھر پہنچے تو ابن مسعودؓ کی بیوی زینبؓ آئیں اور اجازت چاہی۔ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یہ زینب آئی ہیں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کون سی زینب؟ کہا گیا کہ ابن مسعودؓ کی بیوی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اچھا انہیں اجازت دے دو چنانچہ اجازت دے دی گئی۔ انہوں نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آج آپ نے صدقہ کا حکم دیا تھا۔ اور میرے پاس بھی کچھ زیور ہے جسے میں صدقہ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن میرے خاوند ابن مسعودؓ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اور ان کے لڑکے اس کے ان مسکینوں سے زیادہ مستحق ہیں جن پر میں صدقہ کروں گی۔ آپ ﷺ نے اس پر فرمایا کہ ابن مسعودؓ نے صحیح کہا۔ تمھارے خاوند اور تمھارے بچے اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ تم ان کو صدقہ دو۔ [1]

امام ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"واستدل بهذا الحديث على جواز دفع المرأة زكاتها إلى زوجها وهو قول الشافعي والثوري وصاحبي أبي حنيفة وإحدى الروايتين عن مالك وعن أحمد" [2]

اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ بیوی اپنی زکوٰۃ خاوند کو دے سکتی ہے۔ یہ موقف امام شافعیؒ، امام سفیان الثوریؒ، امام ابو حنیفہ کے صاحبین (ابو یوسفؒ و محمدؒ) کا قول ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہی ہے۔

سعودی عرب کے مشہور سلفی عالم علامہ شیخ محمد بن صالح العثیمین فرماتے ہیں: [3]

اگر خاوند زکوٰۃ کے مستحقین میں سے ہے تو اسے زکوٰۃ دینی جائز ہے اور اس کے لیے آپ ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے عبد اللہ بن مسعود کی بیوی زینب کو فرمایا تھا:

---

۱ صحیح البخاری، کِتَابُ الزَّکَاۃِ: بَابُ الزَّکَاۃِ عَلَی الأَقَارِبِ: ۱۴۶۲

۲ فتح الباری، ج ۴، تابع، ۲۳ الجنائز: ۲۵ الحج ۱۲۶۶ - ۱۷۷۲

۳ الشرح الممتع ۶/۱۶۸-۱۶۹

((زَوْجُكِ وَوَلَدُكِ أَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهِ عَلَيْهِمْ))[1]

تیرا خاوند اور تیری اولاد قابل صدقہ افراد میں تمہارے صدقہ کے زیادہ حقدار ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ بیوی اپنی زکوٰۃ خاوند کو دے سکتی ہے یہی موقف امام شافعی، ثوری، امام ابوحنیفہؒ کے صاحبین، کا قول ہے اور امام مالک اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہی ہے۔

تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث میں میں فرض اور نفل دونوں شامل ہیں بہر حال اگر حدیث میں دلیل ہے تو یہ بہتر اور خیر ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ تو نفلی صدقہ کے ساتھ خاص ہے تو ہم خاوند کو زکوٰۃ دینے کے بارہ میں یہ کہیں گے کہ خاوند فقیر اور محتاج ہے اور اس میں وہ وصف پایا جاتا ہے جس کی بنا پر زکوٰۃ کا مستحق ہوا جاتا ہے تو منع اور نہ دینے کی دلیل کہاں ہے؟ کیونکہ جب سبب پایا جائے تو حکم ثابت ہو جاتا ہے لیکن اگر اگر کوئی دلیل اس کے خلاف ملے تو پھر ثابت نہیں ہو گا چنانچہ یہاں اس کے خلاف قرآن اور سنت سے کوئی دلیل نہیں ملتی ہے کہ بیوی اپنے خاوند کو زکوٰۃ ادا نہیں کر سکتی۔[2]

iv. سونے چاندی میں زکوٰۃ کی رخصت

سونا ساڑھے سات تولے اور چاندی ساڑھے باون تولے یا اس سے زیادہ ہو تب زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ اگر کسی کے پاس سات تولے سونا اور پچاس تولے چاندی ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ یہ اسلام کی طرف سے سب سے بڑی رخصت ہے۔

فقہاء کی آراء

سونے کا نصاب ۲۰ مثقال یا درھم ہے جو کہ احناف کے نزدیک ۱۰۰ گرام جبکہ جمہور کے نزدیک ۹۱ گرام بنتا ہے۔ چاندی کا نصاب ۲۰۰ درھم ہے جو کہ حنفیہ کے نزدیک ۷۰۰ گرام جبکہ جمہور کے نزدیک 642 گرام بنتا ہے۔ اور اگر سونا چاندی اس نصاب سے کم ہو تو جمہور کے نزدیک قیمت کا اعتبار کر کے سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا جب کہ شافعیہ کہتے ہیں کہ سونے چاندی کو ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔[3]

---

[1] صحیح بخاری: ۱۴۶۲

[2] الشرح الممتع: جلد: ۶، ص: ۲۶۲

[3] فقہ الاسلامی: ج/ ۳، ص/ ۱۹۴

v. اناج میں زکوۃ کی رخصت

آپ ﷺ نے فرمایا:

((پانچ دسق سے کم غلے پر زکوۃ نہیں))۔ (۱)

فقہاء کی آراء

پانچ دسق ۲۰ من بنتا ہے۔ اگر اس سے کم اناج ہو تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین اس بات کے قائل ہیں کہ زرعی پیداوار کا نصاب پانچ وسق یعنی تین سو صاع ہے ہے جس کے تقریباً پچیس من بنتے ہیں اس سے کم میں ان حضرات کے نزدیک زکوۃ نہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زرعی پیداوار کا کوئی نصاب مقرر نہیں بلکہ اس کی ہر قلیل و کثیر مقدار پر عشر واجب ہے۔ (۲)

زکوٰۃ میں رخصت کی حکمتیں

جنت کا راستہ

زکوٰۃ جنت کے راستے کو آسان کر دیتی ہے آپ ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

تم اپنے رب اللہ سے ڈرو، پانچ وقت کی صلاۃ پڑھو، ماہ رمضان کے صیام رکھو، اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرو، اور امیر کی اطاعت کرو، اس سے تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے ۔ (۳)

فقراء اور محتاجوں کی مدد

زکوٰۃ کے ذریعے فقراء اپنے کاموں کو از سر نو جاری رکھ سکتے ہیں زکوٰۃ ایسے حالات پیدا کر دیتی ہے جو فقراء کی اچھی زندگی کے مساعد ہوتے ہیں جبکہ وہ ان حالات سے یکسر عاجز ہوتے ہیں یوں معاشرہ فقر وفاقہ کے مرض سے محفوظ رہتا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ﴾ (۴)

اور وہ جن کے مالوں میں حصہ معین ہے۔ سائل اور غیر سائل کے لیے۔

---

۱ بخاری الزکوۃ، باب الزکوٰۃ الورق:۱۴۴۸

۲ سنن ترمذی: ج:۲، ص:۴۳۷

۳ جامع ترمذی: باب: فضائلِ نماز سے متعلق ایک اور باب :۶۱۶

۴ سورۃ المعارج:۲۵-۲۴

گناہوں کو مٹادینا

زکوٰۃ گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((صدقہ گناہ کو ایسے بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھاتا ہے))۔[۱]

مال پاک ہونا

زکوٰۃ مال کو پاک کر دیتی ہے۔

((جَعَلَهَا اللّٰهُ طُهْرًا لِلْأَمْوَالِ))[۲]

زکوٰۃ کا اللہ تعالیٰ نے اموال کی پاکیزگی کا ذریعہ بنا دیا۔

مال محفوظ ہونا

زکوٰۃ مال کو محفوظ رکھتی ہے۔ زکوٰۃ اموال کے لیے محفوظ قلعہ ہے جس میں بقیہ مال محفوظ ہو جاتا ہے اور اس تک کسی بد باطن کی آنکھ اور کسی مجرم کا ہاتھ نہیں پہنچ پاتا۔ اپنے اموال کو زکوٰۃ دے کر صدقہ کے ذریعے اپنے مریضوں کا علاج کرو اور دعا کے ذریعہ بلاء کو دور کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((حَصِّنُوا أَمْوَالَكُمْ بِالزَّكَاةِ))[۳]

زکوٰۃ کے ذریعے اپنے مال کو محفوظ کر لو۔

مال کے فتنے سے محفوظ

زکوٰۃ مال کے فتنے سے محفوظ رکھتی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہوتا ہے:

جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی تو یقیناً اس کے مال کا فتنہ ختم ہو گیا۔[۴]

رب کی ناراضگی دور

زکوٰۃ رب کی ناراضگی کو دور کرتی ہے۔ صدقہ اللہ کی ناراضگی کو ختم کرتا ہے۔[۵]

---

۱ جامع ترمذی: اب: نماز کے تقدس وفضیلت کا بیان: ۲۶۱۶

۲ صحیح بخاری باب: جس مال کی زکوٰۃ دے دی جائے وہ کنز (خزانہ) نہیں ہے: ۱۴۰۴

۳ البیہقی، شعیب الایمان: ۳۰۰۸

۴ ابن خزیمہ ۴ / ۱۳ و صحیح الترغیب: ۸۴۳

۵ السلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۱۹۰۸

مال پر سال گزرنا

سال گزرے تب ہی زکوۃ ہے۔ جب تک کسی مال پر ایک سال نہ گزرے تو زکوۃ فرض نہیں۔
کسی مال پر اس وقت تک زکوۃ نہیں جب تک اس پر ایک سال نہ گزرے۔[1]

1/ ابن ماجہ، الزکوۃ باب من استفاد مالال

فصل رابع:

زکوۃ میں تخفیف کی صورتیں اور حکمتیں

سونے، چاندی کی زکوۃ میں تخفیف

سونے اور چاندی پر یہ تخفیف رکھ دی گئی ہے کہ اس سونے اور چاندی کے نصاب کے بدلے بطور رقم یا چاندی کے نصاب کے بدلے سونا یا سونے کے بدلے بطور چاندی ادا کی جاسکتی ہے۔ یا اس کے بدلے روپیہ پیسہ بھی دیا جاسکتا ہے۔(۱)

فصلوں کے عشر میں زکوٰۃ کی تخفیف

عشر زرعی زمین کی پیداوار سے بطور زکوۃ کے دسواں حصہ نکالنا عشر کہلاتا ہے۔(۲) بارانی زمین پر عشر کی مقدار دسواں حصہ ہے اور نہری زمین جو کہ ٹیوب ویل سے سیراب ہوتی ہیں اس پر بیسواں حصہ ہے۔ کیونکہ اس زمین کو سیراب کرنے پر لاگت آتی ہے اس لیے اس میں تخفیف رکھ دی گئی ہے کہ اس میں سے دسواں حصہ نہیں بلکہ بیسواں حصہ زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ دوسری تخفیف یہ رکھی گئی ہے کہ اگر اناج کی ضرورت ہو تو وہ اناج جو بطور عشر نکالا گیا ہے وہ استعمال میں لاکر اس کے بدلے روپیہ پیسہ یا کسی اور غرض سے بطور عشر ادا کیا جاسکتا ہے۔ اس میں یہ آسانی رکھ دی گئی ہے۔

جانوروں پر زکوۃ کی تخفیف

اونٹ کا نصاب

اونٹ کا نصاب پانچ اونٹ ہیں یعنی پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں، پانچ اونٹوں پر ایک سالہ ایک بکری دینا واجب ہے دس پر دو، پندرہ پر تین، بیس پر چار، پھر جب ان کی تعداد ۲۵ تک پہنچ جائے تو ۲۵ سے ۳۵ تک میں ایک سالہ اونٹنی ہے اور ۳۶ سے ۴۵ تک ایک دو سالہ اونٹنی ہے، ۴۶ سے ۶۰ تک ایک ۳ سالہ اونٹنی ہے، ۶۱ سے ۷۵ تک ایک چار سالہ اونٹنی ہے۔(۳)

---

۱ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین، رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، ج:۳، ص:۲۷۰

۲ آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا

۳ صحیح مسلم، كِتَاب الزَّكَاةِ، باب لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ:226

گائے بیل کا نصاب

گائے بیل کا نصاب تیس گائے ہے، یعنی اگر کسی کے پاس تیس سے کم گائے بیل ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، پھر جب تیس ہوں تو اس پر ایک، ایک سالہ گائے واجب ہے، یہ حکم ۳۹ تک کے لیے ہے، پھر جب ۴۰ ہوں تو اس میں ایک، دو سالہ گائے یا بیل واجب ہے، یہ حکم ۵۹ تک کے لیے ہے، پھر جب ۶۰ ہوں تو اس میں دو ایک سالہ گائے یا بیل واجب ہے اور یہ حکم ۶۹ تک کے لیے ہے۔ جب ۷۰ ہوں تو ایک ایک سالہ گائے اور ایک دو سالہ گائے واجب ہو گی ۔[1]

بکری، بھیڑ، دنبہ کا نصاب

جب بکرے، بکری، بھیڑ، دنبہ کی تعداد چالیس کو پہنچ جائے تو ۴۰ سے ۱۲۰ تک میں ایک بکری دینے کا حکم ہے اور ۱۲۱ سے ۲۰۰ تک دو بکریاں ہیں۔ اور اگر ان چرنے والی بکریوں کی تعداد ۴۰ سے کم ہو تو ان میں کچھ بھی نہیں ہے۔[2]

اس میں یہ وجہ ہے کہ بکریوں کا پالنا آسان بھی ہے اور ہر کوئی اپنی استطاعت کے مطابق پال سکتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے چھوٹے گلے کا اندازہ ۴۰ بکریوں کے ساتھ کیا ہے۔[3]

گھوڑے کی چیزوں میں زکوٰۃ کی تخفیف

اسلام نے اس میں تخفیف رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص گھوڑے کی تجارت کرتا ہے جُھول[4]، لگام اور رسیاں وغیرہ اس لیے خریدتا ہے کہ گھوڑوں کی حفاظت میں کام آئیں گی تو اُن پر زکوۃ نہیں رکھی گئی یہاں انسان کے لیے آسانی رکھ دی گئی ہے۔ لیکن اگر اس لیے خریدے کہ گھوڑے ان کے سمیت بیچے گا تو پھر ان کی زکوۃ دے گا۔[5]

اس میں جانوروں کی زکوۃ میں یہ بڑی تخفیف رکھ دی گئی ہے کہ جو مقدار جانوروں کی اوپر بیان کی گئی ہے اس کے بدلے بطور رقم جو وقت کے حساب سے بن رہی ہے وہ رقم ادا کی جائے گی۔

---

۱ سنن ابي داود، كِتَاب الزَّكَاةِ، باب فِي زَكَاةِ السَّائِمَةِ: ۱۵۷۲

۲ صحيح البخارى، كِتَاب الزَّكَاة، بَابُ زَكَاةِ الْغَنَمِ :1454

۳ دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر: ۱۴۴۰۰۴۲۰۰۳۹۵

۴ (گھوڑے کے اوپر ڈالنے کا کپڑا)۔

۵ الفتاوى الهندية ، كتاب الزكاة، الباب الثالث في زكاة الذهب والفضة والعروض، الفصل الثاني، ج/۱، ص/۱۸۰

رمضان میں زکوٰۃ دینے میں تخفیف

زکوٰۃ ادا کرنے کی ایک ایسی مدت کا مقرر کرنا ضروری ہے جس میں سب لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر سکیں کیونکہ یہ ضروری تھا کہ مدت اتنی کم نہ ہو کہ جلد ان کو زکوٰۃ دینی پڑے اور اس کا ادا کرنا مشکل ہو اور نہ مدت اس قدر دراز ہو کہ اس کے ادا کرنے سے ان کا بخل کم نہ ہو اور محتاج لوگ انتظار شدید کے بعد فائدہ اٹھا سکیں۔ محصول والی چیزوں کے لیے ایک سال کی مدت مقرر ہے کیونکہ ایک سال میں مال کے بڑھنے کا بھی احتمال ہوتا ہے۔

اس لیے یہاں ادائیگی میں تخفیف بھی رکھ دی گئی ہے کہ رمضان میں یا رمضان کے بعد بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یعنی سال گزرنے سے پہلے اور گزرنے کے بعد بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ یہاں پر تخفیف کم نہیں بلکہ بطور آسانی استعمال کیا گیا ہے۔

باب چہارم
حج میں رخصت و تخفیف کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں

فصل اول: حج میں رخصت کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں

فصل ثانی: حج میں تخفیف کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں

فصل ثالث: حج میں رخصت و تخفیف اور فقہا کی آراء

فصل اول:

حج میں رخصت کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں

حج کی تعریف

اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک مقررہ مہینوں میں بغرض عبادت بیت اللہ شریف میں جانے کا نام حج ہے۔

الحج الأکبر: وہ حج جس سے پہلے وقوف عرفہ ہو قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الأَكْبَرِ﴾ (۱)

اور منادی پکار دیتا اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن

الحج الأصغر: وہ حج جس میں وقوف عرفہ نہ ہو اسے عمرہ بھی کہا جاتا ہے۔

حج کے لغوی معنی

لغت میں حج مطلق قصد کو کہتے ہیں۔ حج جس کی تم تعظیم کرتے ہو س کا کثرت سے ارادہ کرنا ہے۔ (۲)

حَجَّ المکانَ: کسی جگہ کا قصد کرنا، جانا، مقامات مقدسہ کی زیارت کرنا۔

حَجَّ البَیْتَ الحَرَامَ: عبادت کے لئے مسجد حرام میں جانا۔ قرآن کریم میں ہے **وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا** (۳)

حج کا اصطلاحی مفہوم

حج اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ حج کے لغوی معنی ہیں ارادہ کرنا، زیارت کرنا، غالب آنا وغیرہ۔ شریعت کی اصطلاح میں مخصوص وقت میں مخصوص افعال سے مخصوص جگہ کی زیارت کرنے کو حج کہتے ہیں۔ اسلام میں نماز و روزہ صرف بدنی عبادات ہیں زکوٰۃ صرف مالی عبادت ہے جبکہ حج وعمرہ، مالی وبدنی ہر قسم کی عبادات کا مجموعہ ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ سے فرماتے ہیں:

---

۱ سورۃ التوبۃ:۳

۲ التعریفات باب الحار قم: ۵۳۰

۳ سورۃ آل عمران:۹۷

﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ﴾ (۱)

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں، اور دُور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی اُن اُونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں جو لمبے سفر سے دُبلی ہو گئی ہوں۔

حج کی اہمیت

حج دین اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد مقررہ دنوں میں مخصوص عبادات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنا ہے۔ جس طرح اسلام میں نماز، روزہ، زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے اسی طرح حج بھی صاحب استطاعت افراد پر فرض ہے۔ حج جامع عبادات میں سے ہے۔ اور اس کی اہمیت درج ذیل ہے۔

﴿فِیْهِ اٰیَاتٌ بَیِّنَاتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِیْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۗ وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ﴾ (۲)

لوگوں پر اللہ کا یہ فرض ہے کہ جو اس کے گھر بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں، وہ اس کا حج کریں اور جو کوئی اس کے حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اللہ تعالیٰ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہٰذا تم حج کرو۔ حضرت اقرع بن حابس ؓ نے تین بار ایک سوال دہرایا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہر سال حج کریں؟ آپ ﷺ ہر دفعہ خاموش رہے پھر آخر میں فرمایا کہ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم اس کی طاقت نہ پاتے۔ (۳)

حج کی فرضیت پر تمام امت کا اجماع ہے۔ حج زندگی میں ایک مرتبہ ہر اس مسلمان پر فرض کیا گیا ہے جس میں حج کی مندرجہ ذیل آٹھ شرائط پائی جاتی ہوں:

i. مسلمان ہونا

---

۱ سورۃ الحج:۲۷

۲ سورۃ آل عمران:۹۷

۳ صحیح مسلم:۱۲۳۷

ii. اگر کفار کے ملک میں ہو تو حج کے فرض ہونے کا علم ہونا

iii. عقل مند ہونا یعنی پاگل نہ ہونا

iv. بالغ ہونا

v. آزاد ہونا

vi. تندرست ہونا کہ اعضاء سلامت ہوں لیکن اگر پہلے تندرست تھا اور دیگر شرائط فرضیت حج پائے جانے کے بعد اپاہج ہو گیا تو کسی دوسرے مسلمان کو اپنی طرف سے حج کرانا ضروری ہے اسے حج بدل کہا جاتا ہے۔

vii. مکہ مکرمہ پہنچنے کی طاقت کا ہونا اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس آنے جانے کی سواری کے اخراجات، کھانے پینے و رہائش کے علاوہ واپسی تک اپنے اہل و عیال کا خرچہ موجود ہو۔

viii. ان شرائط کا حج کے مہینوں شوال، ذیقعد اور ذوالحج میں موجود ہونا۔ ان تمام شرائط کے ساتھ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ حج فرض ہوتا ہے حج کی استطاعت حاصل ہو جائے تو اس کی ادائیگی میں جلدی کرنا ضروری ہے اگر توفیق ہو تو پانچ سال میں ایک مرتبہ حج کر لینا چاہیے۔[۱]

مکہ مکرمہ کی موجودہ جگہ شروع ہی سے بنی نوع انسان کا مرکز چلی آرہی ہے کیونکہ اس مقدس مقام کو آنے والی نسلوں کے لئے تہذیب و ثقافت اور علم و عرفان کا گہوارہ بننا تھا۔ امام زین العابدینؒ سے کسی آدمی نے پوچھا: بیت اللہ کا طواف کب سے ہو رہا ہے؟ تو آپؒ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کے بارے میں اطلاع دی تو انہوں نے عرض کیا کہ ہم آپ کی تسبیح و تقدیس کرنے والے ہیں اور آپ ایسے بشر کو خلیفہ بنا رہے ہیں جو زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے**۔ فرشتوں کو اپنی عرض پر نہایت ہی شرمندگی ہوئی انہوں نے حالت زاری اور تضرع میں عرش الٰہی کا تین دفعہ طواف کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر خصوصی رحمت کرتے ہوئے عرش کے نیچے بیت المعمور بنا کر فرمایا: تم اس کا طواف کیا کرو۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اور ایک دفعہ طواف کرنے والے دوبارہ نہیں آتے۔ اس کے بعد فرشتوں سے فرمایا: **أَبْنُوْا لِیْ بَيْتًا فِی الْأَرْضِ بِمِثَالِه وَقَدْرِه**. اسی کی مثل و مقدار کے مطابق زمین پر میرا گھر بناؤ۔ جب گھر بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے زمین پر رہنے والی مخلوق کو حکم دیا:

﴿أَنْ يطُوْفُوْا بِهٰذَا الْبَيتِ كَمَا يطُوْفَ أَهلَ السَّمَآءِ بِالْبَيتِ الْمَعْمُوْر﴾[۲]

---

۱ بیہقی: ۲۶۲۵

۲ ازرقی، اخبار مکۃ، ۱ / ۳۴

تم اس گھر کا اسی طرح طواف کرو جیسے آسمان والے بیت المعمور کا کرتے ہیں۔

جب حضرت ابراہیمؑ کا دور آیا۔ تو آپؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی مدد سے اللہ کے حکم کے مطابق قدیم بنیادوں پر ہی دوبارہ تعمیر کی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾ (۱)

بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کے لیے بنایا گیا، وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا ہے اور سارے جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت ہے۔

جب تعمیر مکمل ہوئی تو حکم ہوا کہ تمام جہاں والوں کو اللہ کے گھر میں آنے کی دعوت دیں۔ اس دعوت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے:

﴿وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ﴾ (۲)

اور تم لوگوں میں حج کا بلند آواز سے اعلان کرو وہ تمہارے پاس پیدل اور تمام دبلے اونٹوں پر سوار حاضر ہو جائیں گے جو دور دراز کے راستوں سے آتے ہیں۔

حج میں رخصت کے اسباب وصورتیں

حج فرائض میں شامل ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے رخصتیں، آسانیاں اور سہولتیں رکھی ہیں تاکہ اس کے بندے کسی مشکل، تنگی و مشقت میں نہ پڑیں اور حج جیسا فریضہ بھی انجام دے دیں۔ درجہ ذیل میں اسباب وصورتیں بیان کی گئی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

حاجی کے لیے حج کا ساقط ہونا

حج کی شرائط میں سے ہے کہ وہ شخص جو چلنے پھرنے سے قاصر ہو اور اس کا یہ فریضہ کوئی اور انجام نہ دے سکے تو اس کے عدم قدرت کی صورت میں حج ساقط ہو جائے گا۔ یہ شرط صرف حج کے لیے خاص ہے عمرہ کے لیے نہیں، کیونکہ حج آٹھ سے دس دن تک کا سفر ہوتا ہے اور یہ بڑی مشقت والا کام ہے۔

---

۱ سورۃ آل عمران:۹۶

۲ سورۃ الحج:۲۷

زادراہ پر عدم قدرت

زادراہ نہ ہونے کی صورت میں بھی حج ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے پاس توشہ ختم ہو چکا ہے۔ یا اس کا مال چوری ہو چکا ہے۔

راستے کا پرخطر ہونا

اگر راستہ پر امن نہیں ہے تو اس صورت مین بھی اس شخص پر حج کی ادائیگی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ حج کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ راستہ پر امن ہو اگر راستے میں خطرہ ہو گا، یا دشمنوں نے راستہ روک رکھا ہو تو حج ساقط ہو جائے گا۔

محرم کا ہونا

اگر کسی عورت میں حج کی فرضیت کی تمام شرائط پائی جاتی ہیں تو عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ محرم کے ساتھ حج کا سفر کرے، لیکن اس کے ساتھ حج پر جانے کے لئے باپ، بھائی شوہر یا محرم نہ ہو تو اس کو چاہیے کہ مرنے سے پہلے حج کی وصیت کرے یا اگر اسے محرم ملنے کا امکان نہ ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ہی کسی سے حج بدل کرائے۔

مرض

اگر کوئی اتنا بیمار ہے کہ حج کو نہیں جا سکتا یا معذور ہے اور اسے اپنی زندگی کی امید نہیں ہے یا اپنے ٹھیک ہونے کی امید بھی نہیں ہے تو وہ اپنی زندگی میں ہی کسی سے حج کروا سکتا ہے۔ اس لیے مریض سے بھی حج ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح عصر حاضر میں کورنا جیسی وبا کا ہونا بھی مرض میں شامل ہے اگر کسی کو یہ وبا لگ گئی ہو اور وہ جا نہیں سکتا تو اس کا حج بھی ساقط ہو جائے گا۔

احصار

اگر حاجی کو راستے میں دشمنوں کا احصار ہو تو اس کا حج ساقط ہو جائے گا، اور وہ اپنی ہدی کو حرم میں بھیج کر حلال ہو گا۔

صاحب استطاعت نہ ہونے پر رخصت

سواری یا صحت جیسی سہولت میسر نہ ہونے میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے آسانی پیدا کی ہے کہ جو صاحب استطاعت نہ ہو وہ حج نہ کرے۔ جس کے پاس سواری اور صحت جیسی سہولت میسر نہ ہو تو اس کے لیے

بھی اسلام نے رخصت رکھی ہے کہ وہ حج نہ کرے۔کیونکہ حج اللہ نے اس پر فرض کیا ہے جس کے پاس ہر طرح کی سہولت میسر ہو یاوہ ہر طرح کی استطاعت رکھتا ہو۔اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً﴾ [1]

اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔

فقہاء کی آراء

احناف کے نزدیک استطاعت سے مراد مکہ مکرمہ تک پہنچنے کی قدرت ہے۔مالکیہ کے نزدیک استطاعت حسب عادت مکہ تک پہنچنے کا امکان ہے خواہ پیدل چل کر ہو یا سوار ہو کر،واپس لوٹنے کا امکان نہیں۔شافعیہ کے نزدیک حج کی استطاعت اس شخص کے لئے ہے جو مکہ سے مسافت قصر (۸۹ کلو میٹر) پر ہو۔حنابلہ مثر و استطاعت سے مراد زادراہ اور سواری کی قدرت ہے۔ [2]

سفر کے دوران تجارت کی رخصت

حج کے دوران اگر اعمال حج میں خلل نہ ہو تو بندہ رزق حلال کے لئے تجارت کر سکتا ہے۔لیکن اگر اعمال حج میں خلل اندازی کا خدشہ ہو تو ایسا کرنا صحیح نہیں ہے اسلام نے یہ بہت بڑی آسانی دی ہے لہذا اس کا ستعمال درست رکھا جائے۔

امام ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ میں لوگوں کو سفر حج میں کرائے پر جانور دیتا تھا لوگ کہتے تھے کہ تمہارا حج نہیں ہوتا تو میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے ملا اور ان سے عرض کیا: ابو عبد الرحمٰن! میں حج میں لوگوں کو جانور کرائے پر دیتا ہوں اور لوگ مجھ سے کہتے ہیں تمہارا حج نہیں ہوتا تو ابن عمرؓ نے کہا کیا تم احرام نہیں باندھتے؟ تلبیہ نہیں کہتے؟ بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے؟ عرفات جا کر نہیں لوٹتے؟ رمی جمار نہیں کرتے؟ میں نے کہا کیوں نہیں تو انہوں نے کہا تمہارا حج درست ہے ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے آپ سے اسی طرح کا سوال کیا جو تم نے مجھ سے کیا تو آپ ﷺ نے سکوت فرمایا اور اسے کوئی جواب نہیں دیا یہاں تک کہ یہ آیت **ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلا من ربكم** [3]

---

۱ سورۃ آل عمر آن:۹۸

۲ فقه الاسلامی: ج/۳، ص: ۳۵۸-۳۶۳

۳ البقرة :۱۹۸

تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں کہ تم اپنے رب کا فضل ڈھونڈو نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے اسے بلا بھیجا اور اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا: تمہارا حج درست ہے۔[1]

فقہاء کی آراء

اس پر سب فقہاء متفق ہیں اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔

حج پر جانے والوں کے لیے رخصت

حج کرنے والوں کو آسانی دی گئی ہے کہ وہ سوار ہو کر یا پیدل جائیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

آپ ﷺ نے ایک بوڑھے آدمی کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کا سہارا لیے چل رہا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ان صاحب کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے کعبہ کو پیدل چلنے کی منت مانی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

﴿إِنَّ اللَّهَ عَنْ تَعْذِيبِ هَذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ وَأَمَرَهُ أَنْ يَرْكَبَ﴾[2]

اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے کہ یہ اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالیں پھر آپ ﷺ نے انہیں سوار ہونے کا حکم دیا۔

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی نذر یا منت کا پورا کرنا واجب نہیں کیوں کہ حج سوار ہو کر کرنا پیدل کرنے سے افضل ہے آپ ﷺ نے اس لیے سوار ہونے کا حکم دیا کہ اس کو پیدل چلنے کی طاقت نہ تھی۔

فقہاء کی آراء

تمام صحابہؓ اور فقہاء احناف و مالکیہ و شوافعؒ کا یہ مسلک ہے کہ ایسی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی اور اس کا پورا کرنا ضروری نہیں کیونکہ اس میں رضائے الٰہی نہیں۔[3]

حج کی استطاعت نہ رکھنے والوں کے لئے رخصت

جو حج کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ رمضان کے مہینے میں عمرہ کر لے تو اس کو حج کا ثواب ملتا ہے۔ آپ ﷺ جب حجۃ الوداع سے واپس آئے تو آپ ﷺ نے ام سنان انصاریہؓ سے فرمایا کہ تو حج کرنے کیوں نہیں گئی؟ انہوں نے کہا کہ میرے خاوند کے پاس دو اونٹ پانی پلانے کے تھے ایک سے وہ خود حج پر چلے گئے ہیں اور دوسرا ہماری زمین سیراب کرتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

١ سنن ابي داود الْمَنَاسِكِ، باب الْكَرِيِّ:١٧٣٣

٢ صحیح بخاری، شکار کے بدلے کا بیان:١٨٦٥

٣ موسوعة الفقهية الكويتيه ج/٤٠ ص/١٥٢

جب رمضان آئے تو عمرہ کر لینا کیونکہ رمضان کے مہینے میں عمرہ کرنے کا ثواب حج کے برابر ہوتا ہے۔[1]

فقہاء کی آراء

فقہاء کے نزدیک یہ عمر اس کے حجۃ الاسلام کے قائم مقام نہ ہوگا اگرچہ اسے حج کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔[2]

زکوٰۃ کے مال سے حج کرنے میں رخصت

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے رخصت فرمائی ہے کہ اگر کوئی زکوٰۃ کے مال سے کسی کو حج کروانا چاہے تو وہ کروا سکتا ہے۔ جہاد کے علاوہ احادیث میں بھی حج کو فی سبیل اللہ شمار کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

حج اور عمرہ فی سبیل اللہ میں شامل ہیں۔[3]

بیت اللہ میں ہر وقت طواف اور نماز کی رخصت

آپ ﷺ نے فرمایا:

اے بنی عبد مناف! کسی شخص کو بھی رات یا دن کی کسی گھڑی میں جب بھی وہ چاہے بیت اللہ کے طواف اور اس میں نماز سے مت روکنا۔[4]

فقہاء کی آراء

طواف کی رکعتوں میں احناف و مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ اوقات مکروہہ میں ادا نہیں کی جا سکتی بلکہ فجر اور عصر کے بعد طواف کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ طواف کرتا رہے اور آخر میں طوافوں کی رکعات طلوع یا غروب کے بعد ایک ساتھ ادا کر لے۔ امام شافعی اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ طواف کے بعد کی دو رکعات اوقات مکروہہ میں ادا کی جا سکتی ہیں۔

---

١ صحیح مسلم ،الحج ،باب فضل العمرۃ فی رمضان :١٢٥٦

٢ سنن ترمذی، ج/٢ ص/٢٠٩

٣ مسند احمد ،٢/٤، ٢٢١/٤٠٥

٤ سنن ابی داؤد ،المناسک :۱۸۹۱

عرفات ومزدلفہ میں قصر وجمع نماز کی رخصت

اسلام نے عرفات و مزدلفہ میں بھی قصر وجمع نماز جیسی بھی سہولت فراہم کی ہے۔آپ ﷺ نے میدان عرفات میں ظہر و عصر کو قصر وجمع کرنے کی رخصت دی ہے اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء جمع کرنے کی سہولت دی ہے۔

آپ ﷺ نے نماز ظہر وعصر عرفات میں جمع کرکے لوگوں کو پڑھائی اور ان دونوں کے درمیان کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔ آپ ﷺ نے یہ دونوں نمازیں قصر پڑھائیں (۱)۔اور مزدلفہ پہنچ کر آپ ﷺ نے مغرب وعشاء کی نماز ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائی اور ان دونوں کے درمیان کوئی نفل نماز نہیں پڑھی نیز عشاء کی نماز کا قصر ادا کیا۔(۲)

فقہاء کی آراء

مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں نمازوں کے لئے ایک اذان اور ایک اقامت ہو گی۔جب کہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک اذان اور دو اقامتیں ہوں گی۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دو اذانیں اور دو اقامتیں یا تکبیریں ہوں گی۔امام احمدؒ کے نزدیک دو اقامتیں بغیر اذان کے ہوں گی۔(۳)

طواف وسعی میں تقدیم وتاخیر کی رخصت

پہلے طواف اور پھر سعی کی جائے لیکن اسلام نے رخصت دی ہے کہ اگر کسی نے پہلے سعی اور پھر طواف کر لیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ حج کیا لوگ آپ ﷺ کے پاس آتے اور مسائل دریافت کرتے ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں نے طواف سے پہلے سعی کر لی ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا حرج لا حرج)) (۴)

کوئی حرج نہیں کوئی مضائقہ نہیں۔

اسنن ابی داؤد ،المناسک باب الروح الی عرفه :۱۹۱۳

۲ صحیح مسلم ،الحج، باب حجۃ النبی ﷺ :۱۲۱۸

۳سنن ترمذی ج/۳/ص/۱۵۶

۴ سنن ابی داؤد، الحج:۲۰۱۳

فقہاء کی آراء

احناف و مالکیہ کے نزدیک اعمال حج میں ترتیب واجب ہے لہذا مذکورہ صورت میں ترک ترتیب کی وجہ سے دم واجب ہے جبکہ شوافع و حنابلہ کے نزدیک ترتیب سنت ہے اس لئے دم واجب نہیں ہو گا۔[1]

---

۱ وزارت اوقاف واسلامی امور کویت، موسوعة الفقیه ،ج/۱۷/ ص/۶۱

فصل ثانی:

حج میں تخفیف کے اسباب وصورتیں اور حکمتیں

مزدلفہ میں بوڑھوں (مردوں اور عورتوں) کے لیے تخفیف

حاجیوں کے لیے مزدلفہ میں رات گزارنا سنت ہے اور صبح صادق کے بعد وقوف کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے مزدلفہ کا وقوف اپنے اختیار ترک کیا تو اس پر دم واجب ہو گا جو بوڑھے اور کمزور ہیں بوجہ ہجوم نہیں جا سکتے یا چلنے سے قاصر ہیں تو ان کے لیے تخفیف ہے وہ اس عذر کی بوجہ سے وہاں یعنی مزدلفہ میں رات گزار سکتے ہیں اور صبح کو وقوف مزدلفہ کیے بغیر منیٰ جا سکتے ہیں اور ان پر کوئی دم واجب نہیں ہو گا شریعت نے ان کے لیے آسانی پیدا کی گئی ہے۔

مزدلفہ میں بیماروں کے لیے تخفیف

حاجیوں کے لیے مزدلفہ میں رات گزارنا سنت ہے اور صبح صادق کے بعد وقوف کرنا واجب ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے مزدلفہ کا وقوف اپنے اختیار ترک کیا تو اس پر دم واجب ہو گا جو بیمار ہیں بوجہ ہجوم اور بیماری کی بنا پر نہیں جا سکتے ہیں تو ان کے لیے تخفیف ہے وہ اس عذر کی بوجہ سے وہاں یعنی مزدلفہ میں رات گزار سکتے ہیں اور صبح کو وقوف مزدلفہ کیے بغیر منیٰ جا سکتے ہیں اور ان پر کوئی دم واجب نہیں ہو گا شریعت نے ان کے لیے آسانی پیدا کی گئی ہے۔

حائضہ عورت کو طواف وداع کی تخفیف

اگر عورت کو دوران حج حیض آ گیا تو اس کے حج میں تخفیف آ جائے گی وہ طواف زیارت کے علاوہ باقی افعال اسی حالت میں ادا کرے گی اور پاک ہونے کے بعد طواف زیارت ادا کرے گی۔ [1]

لوگوں کو اس کا حکم تھا کہ ان کا آخری وقت بیت اللہ کے ساتھ ہو یعنی طواف وداع کریں البتہ حائضہ سے یہ معاف ہو گیا تھا۔ [2]

یعنی یہاں پر عورتوں کے لئے تخفیف رکھ دی گئی ہے کہ حائضہ اور نفاس والی عورت دوران حج منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں قیام، ذکر، وقوف، رمی، جمار اور قربانی کر سکتی ہے۔ اور مسجد کے بیرونی صحن میں بیٹھ کر ذکر اذکار

---

۱ مسند احمد، باب، طواف کے بعد حائضہ ہو جانے والی خواتین کا حکم: ۴۵۹۰

۲ صحیح بخاری کتاب الحج، بابُ طَوَافِ الْوَدَاعِ :۱۷۵۵

اور دعائیں مانگ سکتی ہیں لیکن طواف نہیں کر سکتی۔ آپ ﷺ حالتِ حیض و نفاس والی عورت کے بارے میں فرمایا کہ وہ طواف کے سوا حج کے تمام ارکان ادا کرے۔[1]

شیخ ابن بازؒ نے فرمایا کہ: حائضہ اور نفاس والی دونوں طرح کی عورتوں کے لئے آسانی ہے۔[2]

عورت حیض و نفاس کی حالت میں احرام باندھ سکتی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نفاس اور حیض والی عورتیں غسل کر کے احرام باندھیں اور تمام مناسک حج ادا کریں سوائے طوافِ کعبہ کے جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جائیں۔[3]

بالاتفاق حائضہ سے طواف وداع ساقط ہو جائے گا البتہ بعض صحابہ کرام کا یہ مسلک ہے کہ اگر عورت حائضہ ہو جائے تو جس طرح طواف زیارت ساقط نہیں ہوتا اسی طرح طواف وداع بھی ساقط نہیں ہوتا۔ لہذا جس طرح عورت طواف زیارت میں پاک ہونے کا انتظار کرے گی اسی طرح طواف وداع میں بھی انتظار کرے گی۔ لیکن یہ حضرت عمرؓ کا مسلک اس وقت ہے جب عورت کے لئے ٹھہرنے کی گنجائش ہو اور اگر وقت تنگ ہو تو اس صورت میں ان کے نزدیک بھی طواف وداع ساقط ہو جائے گا۔[4]

ایامِ حج میں تخفیف

منیٰ میں روانگی میں تخفیف

فجر کی نماز بیت اللہ میں ادا کر کے طلوعِ آفتاب کے بعد منیٰ میں حجاج کرام روانہ ہو جاتے ہیں۔ منیٰ میں آٹھویں تاریخ کی ظہر سے نویں تاریخ کی فجر تک پانچ نمازیں پڑھنا اور اس رات کو منیٰ میں قیام کرنا سنت تک ہے۔ اور عرفات پہنچنے کا وقت ظہر تک کا ہے۔ اسلام نے یہاں ضعیف، بزرگ و خواتین کے لیے تخفیف رکھ دی ہے کہ وہ ۹ ذالحجہ کو صبح کی نماز سے قبل بھی جاسکتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔[5]

۱ابن ماجه، السنن، كتاب المناسك، باب الحائض تقضى المناسك الا لطواف،۳: ۴۴۷-۴۴۸، / ۲۹۶۳

۲ فتاوى السلامية، ۲۳۸/۱

۳ ترمذى، الجامع الصحيح، كتاب الحج، باب ما جاء تقضى الحائض من المناسك،۳: ۲۸۲/ ۹۴۶

۴سنن ترمذی، ج/۳ ،ص/۲۱۶

۵فقه الاسلامى: ج/۳، ص: ۳۶۷

یوم عرفہ کے دن نمازوں میں تخفیف

یہ حج کا سب سے بڑا رُکن ہوتا ہے۔ طلوعِ آفتاب کے بعد جب کچھ دُھوپ پھیل جائے، منیٰ سے عرفات کو روانہ ہونا اور وقوفِ عرفات کرنا پڑتا ہے ۔ ۹ ذ الحجہ کو ظہر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک عرفات میں ٹھہرنا حج کا رُکن اعظم ہے۔ یہاں ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں ظہر کے وقت میں ادا کی جاتی ہیں اور مزدلفہ میں نماز مغرب ا ور عشاء دونوں نمازوں کو جمع کر پڑھا جائے اور شب میں قیام کیا جائے۔ یہاں اللہ نے تخفیف رکھ دی ہے کہ نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا کیونکہ سفر حج میں انسان تھک جاتا ہے اور یہ ایک مشقت والا کام ہے۔ (۱)

کنکریاں مارنے کے وقت میں تخفیف

طلوعِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک مزدلفہ ٹھہرنا، پھر منیٰ میں جانا، منیٰ میں پہنچ کر پہلا کام جمرہ عقبہ پر سات کنکریوں سے رمی کرنا ہے۔ کنکریاں مزدلفہ سے چُن لینا مستحب ہے۔ جمرات کے پاس گری ہوئی کنکریاں اُٹھانا جائز نہیں۔ اس کا مسنون وقت طلوعِ آفتاب سے زوالِ آفتاب تک ہے۔ زوال سے غروب تک بھی جائز ہے۔ لیکن یہاں بھی عورتوں، ضعیف اور بیماروں کے لیے تخفیف رکھ دی گئی ہے کہ عورتیں ,ضعیف اور بیمار غروب کے بعد بھی جا سکتے ہیں یہ جائز ہے اور مکروہ نہیں ہے۔

حلق یا قصر

اللہ تعالیٰ نے حج میں حاجیوں کے لیے روزوں میں تخفیف رکھی ہے۔ جب تک قربانی ہونہ جائے تو سَر کے بال نہ کٹوائیں جن کے پاس قربانی کرنے کی گنجائش نہ ہو تو وہ قربانی کے بدلے میں دس روزے رکھے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تین روزے عرفہ میں رکھیں۔ اور باقی سات روزے واپسی پر رکھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فمن لم يجد فصيام ثلاثة أيام فى الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة كاملة﴾ (۲)

پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزے رکھے تین حج کے دنوں میں، اور سات روزے جب لوٹو تو یہ دس روزے پورے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے حج میں تین روزے فرض کیے ہیں اور حج سے واپسی پر سات روزے رکھنے کا حکم دیا ہے۔ اوراس شخص کے لیے تخفیف ہے جو تخییر کا خواہش مند ہو، اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے اشارہ

---

۱ سنن ابی داؤد ،المناسک باب الروح الی عرفه

۲ سورة البقرة:۱۹۶

فرمادیا کہ اللہ کی منشا ان دس روزوں کو فرض کرنا ہے اور اگر الگ الگ رکھنا، تو یہ اللہ کی طرف سے رخصت اور تخفیف ہے۔ (۱)

طواف زیارت یا قربانی میں تخفیف

اسلام نے یہاں تخفیف رکھی ہے کہ اگر کسی نے ابھی تک قربانی یا طواف زیارت نہیں کیا تو وہ اس دن بھی کر سکتا ہے۔ اس دن کا اصل کام تینوں جمرات کو زوال کے بعد رمی کرنا ہے۔ ۱۱ اور ۱۲ تاریخ کو رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے اس سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں، زوال کے بعد غروب آفتاب تک جائز ہے لیکن یہاں شریعت نے ان لوگوں کے لیے تخفیف رکھی ہے کہ جو لوگ بے پناہ ہجوم کی وجہ سے اگر رمی نہیں کر سکے تو مغرب کے بعد صبح صادق سے پہلے رمی کر سکتے ہیں اور بوڑھے، بیمار اور خواتین کے لیے یہ آسانی پیدا کر دی ہے کہ وہ رات کے وقت رمی کریں کیونکہ رات میں ہجوم کم ہوتا ہے۔ اور مزید یہ آسانی پیدا کر دی کہ ۱۳ تاریخ کو رمی کے لیے منیٰ میں مزید قیام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی دیا ہے۔ ۱۲ تاریخ کو رمی سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ جا سکتے ہیں، لیکن غروبِ آفتاب سے پہلے منیٰ سے نکل جائے۔ یعنی یہاں بھی تخفیف رکھ دی گئی ہے۔

---

۱ الرازی، فخر الدین رازی، تفسیر کبیر، ج/۳، ص/ ۵۰۰

(فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسینی تھا۔ رے ایران میں پیدا ہوئے ۔ شافعی اور اشعری عقیدہ رکھتے تھے۔ خوارزم میں معتزلہ عقائد کے خلاف تبلیغ کے لیے گئے۔ ابن سینا اور فارابی کے معترف اور امام غزالی کے خلاف تھے۔ علم الکلام میں مشہور تصنیف اساس التقدیس ہے۔ دوسری متداول تصنیف کا نام مفاتیح الغیب ہے جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے۔)

فصل ثالث:

حج میں رخصت و تخفیف اور فقہا کی آراء

سفرِ حج میں نمازوں کو جمع کرنے میں رخصت و تخفیف

سفرِ حج میں بھی قصر و جمع ثابت ہے مگر حجاج کی کثیر تعداد اس رعایت سے مستفید نہیں ہوتی۔ میدانِ عرفات و مزدلفہ میں آپ ﷺ نے جمع و قصر سے ظہر و عصر اور مغرب و عشا ادا فرمائیں ظہر و عصر کو ظہر کے وقت اور مغرب و عشاء کو عشاء کے وقت پڑھا تھا۔ اس کے سنّت ہونے میں تمام ائمہ و فقہا کا اتفاق ہے۔(۱) کیونکہ آپ ﷺ نے میدانِ عرفات میں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ دو نمازیں پڑھیں اور مزدلفہ آئے تو وہاں مغرب و عشاء بھی ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں اور دو نمازوں کے مابین کوئی سنن و نوافل نہیں پڑھے۔ پھر آپ لیٹ گئے یہاں تک کہ فجر طلوع ہوئی۔ (۲) آپ ﷺ نے مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو جمع کر کے دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمایا اور ان کے مابین کوئی سنن و نوافل نہیں پڑھے اور نہ کسی کے بعد میں نوافل ادا فرمائے۔ (۳)

فقہاء کی آراء

مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کے بارے میں فقہاء کی آراء مندرجہ ذیل ہے۔ مزدلفہ میں جمع بین الصلاتین کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ دونوں نمازوں کے لئے ایک اذان اور ایک اقامت ہو گی۔ امام ملکؒ فرماتے ہیں کہ ایک اذان اور دو اقامتیں ہوں گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دو اذانیں اور دو اقامتیں ہوں گی۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ دو اقامتیں بغیر اذان کے ہوں گی۔ (۴)

محصر کا حلال ہونے میں رخصت و تخفیف

اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کے لیے احرام باندھے اور پھر اُسے کسی دشمن کے خوف یا بیماری کی وجہ سے روکنا پڑ جائے تو حج کرنے والا شخص کا کسی شرعی عذر کی وجہ سے وقوفِ عرفہ اور طواف دونوں سے رُکنا، جبکہ عمرہ ادا کرنے

---

۱ الفتح الرباني، ۵/ ۱۴۰۔۱۴۲

۲ فتح الباري، ۲/ ۵۷۹

۳ شرح صحيح مسلم للنووي، ۳/ ۵/ ۱۹۸

۴ سنن الترمذی: ج/ ۳، ص/ ۱۵۶

والے شخص کا صرف طواف سے رُکنا احصار کہلاتا ہے۔ اس شخص کو محصر کہتے ہیں۔ محصر کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾(۱)

حج اور عمرہ کے مناسک اللہ کے لیے مکمل کرو پھر اگر تم راستے میں روک لیے جاؤ، تو جو قربانی بھی میسر آئے کرنے کے لیے بھیج دو اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ منڈواؤ جب تک قربانی کا جانور اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے قربانی یعنی دم دے کر احرام کھولنے میں رخصت و تخفیف رکھی ہے۔ اگر محرم دشمن کے خوف کی وجہ سے افعال حج یا افعال عمرہ ادا کرنے سے روک دیا گیا یا کسی مرض کی وجہ سے احصار پایا گیا ہو تو اس کے واسطے بغیر افعال حج یا عمرہ ادا کرے حلال ہونا جائز قرار دیا ہے۔

﴿وَإِذَا أُحْصِرَ الْمُحْرِمُ بِعَدُوٍّ أَوْ أَصَابَهُ مَرَضٌ فَمَنَعَهُ مِنَ الْمُضِيِّ جَازَ لَهُ التَّحَلُّلُ﴾(۲)

اور جب دشمن کی وجہ سے محرم روک لیا گیا ہو یا اسے کوئی بیماری لاحق ہو گئی ہو اور اسے حج یا عمرہ کرنے سے روک دیا گیا ہو تو اس کے لیے حلال ہونا جائز ہے۔

فقہاء کی آراء

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دم احصار کے لیے کوئی دن متعین نہیں ہے پس دن متعین کرنے کا وعدہ آپ کے نزدیک اس لیے ہوگا تاکہ محصر کو اپنے حلال ہونے کا وقت معلوم ہو۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ احصار صرف دشمن سے ہوتا ہے، مرض یا احصار سے نہیں ہوتا۔ اس بات کی دلیل قرآن کی آیت سے دیتے ہیں۔(۳)

﴿فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾(٤)

پس اگر روکے جاؤ تو جو قربانی آسانی سے میسر ہو۔

---

۱ سورة البقرة:۱۹٦

۲مرغینانی ،برهان الدین علامه مرغینانی، الهدایة،شرح البدایة، المکتبة الإسلامیة،ج/۱،ص/۱۸۰

۳سکروڈھوی، جمیل احمد سکروڈھوی، اشرف الہدایہ، دارالاشاعت کراچی، ج/۳، ص/۴۳۴-۴۳۵

۴سورۃ البقرۃ:۱۹٦

دم احصار کو حرم میں ذبح کرنے میں رخصت و تخفیف

شریعت نے حج میں آسانی پیدا کی ہے اور یہاں رخصت و تخفیف رکھ دی ہے کہ دم احصار کا حرم میں ذبح کرنا جائز ہے حرم کے علاوہ جائز نہیں ہے۔[1]

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ﴾[2]

تو اگر تمہیں روک دیا جائے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حج یا عمرہ کا احرام باندھ لینے کے بعد حج یا عمرہ کی ادائیگی میں تمہیں کوئی رکاوٹ پیش آجائے جیسے دشمن کا خوف ہو یا مرض وغیرہ تو ایسی حالت میں تم احرام سے باہر آجاؤ اور اس صورت میں حدودِ حرم میں قربانی کا جانور اونٹ یا گائے یا بکری کا ذبح کروانا تم پر واجب ہے اور جب تک قربانی کا جانور ذبح نہ ہو جائے تب تک تم سر نہ منڈواؤ۔

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا﴾[3]

پھر جو تم میں بیمار ہو۔

اِحصار کے بعد حالتِ احرام میں بال منڈوانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ یونہی لباس، خوشبو وغیرہ کے اعتبار سے کافی پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ اگر ان کا خلاف کریں تو دم یا صدقہ لازم آتا ہے لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں کہ مجبوری کی وجہ سے احرام کی پابندیوں کی مخالفت کرنا پڑتی ہے۔ بغیر عذر کے اور عذر کی وجہ سے کیے گئے افعال میں شریعت نے کچھ فرق کیا ہے۔ اگر کوئی جان بوجھ کر احرام کی پابندیوں کی مخالفت کرے گا تو گناہگار بھی ہوگا اور فدیہ دینا بھی لازم ہوگا اور مجبوری کی وجہ سے مخالفت کرے تو گناہگار نہیں ہوگا لیکن فدیہ دینا پڑے گا البتہ مجبوری والے کو فدیے میں کچھ رخصتیں بھی دی گئی ہیں۔

دم احصار میں جانور ذبح ہونے کے بعد آدمی خود بخود حلال ہو جاتا ہے حلق یا قصر کرانا لازم نہیں البتہ اگر کرالے تو بہتر ہے اور پھر آئندہ کبھی اس عمرہ کی قضا کریں۔ اگر حج یا عمرہ کے تمام افعال کی ادائیگی کے بعد احرام سے نکلنا ہو تو حدودِ حرم میں حلق یا قصر کے ذریعہ احرام سے نکلنا ضروری ہے، حدودِ حرم کے علاوہ کہیں اور حلق یا قصر

---

١ (وہ قربانی جو حج یا عمرہ نامکمل چھوڑنے کے سبب لازم آتی ہے. اس کو دم احصار کہتے ہیں کہ حج یا عمرہ سے رکنے کی وجہ سے لازم ہوتا ہے.)

٢ ایضاً

٣ سورۃ البقرۃ: ١٨٤

کرا کے احرام سے نکلنا درست نہیں ورنہ آدمی حلال تو ہو جائے گا لیکن اس پر ایک دم واجب ہو جائے گا اور اگر حج یا عمرہ کی ادائیگی سے پہلے احصار کی وجہ سے احرام سے نکلنا ہو تو دم احصار کو حدودِ حرم میں ذبح کرا دینا کافی ہے۔ مُحصَر مُحرِم کا اس وقت حدودِ حرم میں ہونا ضروری نہیں اور دم احصار ذبح ہوتے ہی محصر محرم احرام سے نکل جائے گا اس کے لیے حلق یا قصر کرانا ضروری نہیں، البتہ اگر کرا لے تو بہتر ہے اور اگر حلق یا قصر کرانا ہو تو اس میں حدود حرم شرط نہیں بلکہ یہ حلق یا قصر کہیں بھی کرا سکتے ہیں۔ (۱)

فقہاء کی آراء

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یوم نحر سے پہلے دم احصار کا ذبح کرنا جائز ہے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک دم احصار حرم کے ساتھ خاص ہے مگر یوم نحر کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ یعنی دم احصار، کفارہ اور جنایت ہے یہی وجہ ہے کہ دم احصار میں سے کچھ کھانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ فقراء کا حق ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک محصر بالحج کے لیے دم احصار کو ذبح کرنا صرف یوم نحر میں جائز ہے اس سے پہلے جائز نہیں ہے۔ صاحبین کے نزدیک حرم اور یوم نحر دونوں کے ساتھ خاص ہے، اور محصر بالعمرہ بالاتفاق جب چاہے دم احصار کو ذبح کرے اس کے لیے کسی وقت کی تعین نہیں ہے۔ محصر بالحج کے لیے دم احصار کا ذبح کرنا یوم نحر کے علاوہ جائز نہیں ہے کیونکہ یوم احصار کو دم تمتع اور قران پر قیاس کیا ہے۔ جس طرح دم تمتع اور قران حرم اور ہو منحر کے ساتھ خاص ہے اسی طرح دم احصار کو دم تمتع اور قران پر قیاس کیا۔ (۲)

---

1 اشرف الہدایہ، ج/۳، ص/ ۴۴۴-۴۴۵

۲ ایضاً

نتائج

اس مقالہ کی روشنی میں درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

- شریعت کا ہر ایک حکم مصالح پر مبنی ہے اور یہ مصالح مقاصد خمسہ کہلاتے ہیں۔
- شریعت میں رخصت و تخفیف کا مقصد مشقت اور حرج کو دور کرنا ہے۔
- مقاصد شریعت اور عبادات میں باہمی تعلق ہے نیز عبادات میں رخصت و تخفیف کو شریعت کے بنیادی مصادر سے اخذ کیا گیا ہے۔
- رخصت، فرض کا مد مقابل ہے۔ عبادات میں رخصت سے مراد طہارت نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج میں جو رعایت اور چھوٹ اللہ نے دی ہے اس سے فائدہ حاصل کرنا ہے۔
- شرعی رخصتوں کے مخصوص قواعد وضوابط ہیں جن کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔
- رخصت کو شرعی قاعدہ کی روشنی میں بوقت ضرورت استعمال کرنا چاہیے۔
- رخصت وہ حکم شرعی ہے جو کہ کسی عذر کی بناء پر مباح ہو، اگرچہ اس میں حرام کا پہلو پایا جائے۔
- اللہ تعالیٰ فرائض پر عمل کرنے کو پسند کرتا ہے ایسے ہی رخصت پر عمل کرنے کو محبوب رکھتا ہے۔
- عبادات میں رخصت و تخفیف دراصل دین اسلام کی امتیازی خصوصیات میں سے ہے۔

سفارشات

- موجودہ معاشرے میں زیادہ تر افراد عبادات میں رخصت و تخفیف کے مسائل سے نابلد ہیں اس کے لیے مذہبی سکالر کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔
- شریعت میں رخصت و تخفیف کا موضوع نہایت اہم ہے۔ جس کو سمجھے بغیر عبادت مکمل نہیں ہوتی، سماج کو ان مسائل سے آگاہی دینا وقت کی اہم ضرورت ہے۔
- مساجد کے اندر رخصت و تخفیف جیسے مسائل پر ہفتہ وار دروس کا اہتمام کروایا جائے تاکہ معاشرہ کا ہر فرد اس سے آگاہی حاصل کرے۔
- رخصت و تخفیف کے پہلو کے ضمن میں فقہاء کی آراء کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تاکہ عبادات میں رخصت و تخفیف پر عمل کیا جاسکے۔
- اسلام میں جس قدر آسانیاں ہیں اور رخصت کے پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے ان محاسن کو عوام کے سامنے بیان کرنے کی ضرورت ہے۔
- سربراہ خاندان اپنے اہل خانہ کو شرعی رخصتوں سے روشناس کروائے۔
- جامعات کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ معاصر مسائل سے متعلق ایسے سیمینارز کا انعقاد کروائیں جن میں ممتاز مذہبی سکالرز کو مدعو کیا جائے تاکہ وہ عبادات سے متعلق خصوصاً رخصت و تخفیف کے پہلوؤں پر فقہاء کی آراء کی روشنی میں مسائل لوگوں کے سامنے بیان کرسکیں۔

فہرست آیات

نمبر شمار	آیات	سورۃ/آیات نمبر	صفحہ نمبر
۱.	وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ	البقرۃ: ۲/۲۳۵	۳
۲.	وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا.......	البقرۃ:۲ /۲۹	۴
۳.	يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ..........	البقرۃ:۲ /۱۹۵	۷
۴.	وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا..............	البقرۃ:۲ /۱۱۵	۶۵
۵.	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامَ............	البقرۃ:۲ /۱۸۳	۸۹
۶.	فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ	آل عمران: ۳/۱۵۹	۳۱
۷.	وَلَاتَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ..............	النساء:۴ /۲۹	۸
۸.	يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ بِمَا	النساء:۴ /۲۸	۳۸
۹.	وَلَا تَسُبُّواْ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ..........	الانعام: ۶/۱۰۸	۴
۱۰.	وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ	لانعام: ۶/۱۱۹	۱۳
۱۱.	إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ........	التوبۃ:۹ /۶۰	۱۱۵
۱۲.	قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ..................	النحل:۱۶ /۹۸	۶۳
۱۳.	وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ.............	النحل:۱۶ /۸۹	۱۱۲
۱۴.	وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ........	النحل:۱۶ /۳۶	۲۸
۱۵.	وَاَقِمِ الصَّلَاةَ ۖ اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰى........	العنکبوت:۲۹ /۴۵	۲۶
۱۶.	وَاَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُوْنُوْا...........	الروم:۳۰ /۳۱	۶۸
۱۷.	إِنَّ ذٰلِكَ مِن عَزمِ	القمان: ۳۱/۱۷	۳
۱۸.	وَ اقْصِدْ فِی مَشْيِكَ...................	القمان: ۳۱: /۱۹	۲۰

فہرست احادیث

نمبر شمار	احادیث	کتب احادیث	صفحہ نمبر
۱.	اتی النبي ﷺ سباطة قوم فبال قائما......	ابی داؤد	۴۸
۲.	احتلمت في ليلة باردة في غزوة ذات السلاسل....	ابی داؤد	۳۹
۳.	اَلطُّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ.......	سنن ترمذی	۳۵
۴.	إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يُحِبُّ أَنْ تُوْتٰى رُخْصَهُ، كَمَا يُحِبُّ	صحیح الجامع الصغیر	۷
۵.	إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يُحِبُّ أَنْ تُؤْتٰى رُخْصُه، كَمَا يَكْرَه	صحیح الجامع الصغیر	۷
۶.	إِنَّ اللَّهَ عَنْ تَعْذِيبِ هَذَا نَفْسَهُ..........	صحیح بخاری	۱۳۵
۷.	إِنَّ الْمَاءَ لَا يُنَجِّسُهُ.........	ابن ماجہ	۴۴
۸.	إِنَّ هذا فَعَلَهُ مَن هو خَيْرٌ مِنِّي يَعْنِي النبيَّ ﷺ......	صحیح بخاری	۷۴
۹.	إِنِّي امْرَأَةٌ أَشُدُّ ضَفْرَ رَأْسِي فَأَنْقُضُهُ لِغُسْلِ الْجَنَابَةِ	صحیح مسلم	۵۷
۱۰.	جَعَلَهَا اللهُ طُهْرًا لِلْأَمْوَالِ........	صحیح مسلم	۱۲۳
۱۱.	دَعُوْنِىْ مَاتَرَكْتُكُمْ،اِنَّمَا هلَكَ مَنْ كَانَ	صحیح بخاری	۶۸
۱۲.	دعوه وهريقوا على بوله سجلا من ماء.......	صحیح بخاری	۴۶
۱۳.	عَلَيْكُمْ بِرُخْصَفِ اللهِ الَّتِىْ رَخَّصَ لَكُمْ فَاقْبَلُوْهَا.........	صحیح مسلم	۷
۱۴.	قالت كنت أغتسل أنا والنبي، ﷺ من إناء واحد........	صحیح بخاری	۵۰
۱۵.	القصدَ القصدَ تَبْلُغُوا..........	صحیح بخاری	۲۰
۱۶.	كانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ.........	صحیح بخاری	۶۴
۱۷.	كنا مع النبى ﷺ فِىْ سَفَرٍ فِىْ لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ	سنن ترمذی	۶۵
۱۸.	يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاء................	صحیح مسلم	۷۲
۱۹.	يغسل من بول الجارية................	ابی داؤد	۴۹

فہرست مصادر ومراجع

قرآن مجید

ابن رشد، بدایہ المجتہد ونہایۃ المقتصد

ابن عابدین شامی، رد المحتار علی در المختار، مکتبہ دمشق،

ابن ماجہ، السنن، کتاب المناسک، باب الحائض تقضی المناسک الا لطواف

ابن منظور، لسان العرب، مکتبہ دار المعارف

ابو المعالی الجوینی، البرہان فی اصول الفقہ،

ابو بکر بن محمد سہیل السرخسی، اصول السرخسی، مکتبہ دار العلمیہ بیروت:

ابو داؤد سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، المکتبہ العصریہ بیرت،

ابو نعیم الاصفہانی، الحلیۃ، مکتبہ دار التحقیق بیروت،

ابی عبد الرحمٰن بن شعیب النسائی، السنن الکبری، دار الکتب علمیہ بیروت البنان الجز والاول، ٦۔

احمد بن فارس بن زکریا أبو الحسین، معجم مقاییس اللغۃ، المحقق، عبد السلام ھارون، المکتبہ الوقفیہ، سنۃ النشر: ۱۳۹۹

أحمد عبد الرحمن البنا الساعاتي، محمد عبد الوهاب بحيري، الفتح الرباني، بيت الأفكار الدولية،

امام ابو عبد اللہ محمد فخر الدین رازی، مترجم مفتی محمد خان قادری، تفسیر کبیر، مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور،

امام ابو عبید القاسم بن اسلام، کتاب الاموال، مترجم عبد الرحمن طاہر سورتی، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد،

امام بیہقی، سنن الکبری للبیہقی

امام صنعانی، عبد الرحمٰن کیلانی، سبل السلام ا، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد،

برھان الدین علامہ مرغینانی، الھدایۃ، شرح البدایۃ، المکتبۃ الإسلامیۃ، مولانا جمیل احمد سکروڈھوی، اشرف الہدایہ ،دارالاشاعت کراچی

تاج الدین السبکی عبد الوھاب بن علی بن عبد الکافیی السبکی، رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب، المحقق، علی محمد عوض ،المکتبہ الوقفیہ،

ڈاکٹر اھبہ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الاشاعت کراچی،

ڈاکٹر خالد عرفان ڈھلوں، علم اصول فقہ ایک تعارف

ڈاکٹر خالد عرفان ڈھلوں، علم اصول فقہ ایک تعارف، مکتبہ الانشران لاہور،

ڈاکٹر عبد الکریم زیدان، جامع الاصول (الوجیز فی اصول الفقہ)، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد، علامہ عبد الھادی فضلی، مبادی اصول الفقہ، مکتبہ بشری کراچی

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، مقاصد شریعت، ادراہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ۲۰۰۹،

ڈاکٹر صالح بن حمید، رفع الحرج فی الشریعہ الاسلامیہ، ضوابط و تطبیقات، مکتبہ دار الفکر،

السلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ،

الشاطبی ابراہیم بن موسی، الموافقات، مکتبہ الوقفیہ بیروت لبنان،

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، مجموع الفتاوی

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، مترجم مولانا عبد الحق حقانی، حجۃ البالغۃ، مکتبہ الفوز الکبیر لاہور

عبد الرحمن الجزيري، الفقہ علی المذاھب الأربعۃ نویسندہ،

عبد اللہ بن محمد بن قدامۃ الجماعیلی المقدسي ثم الدمشقي الحنبلی، المغنی، سنۃ النشر: ۱۴۱۷

علاء الدین الکاسانی، بدائع الصنائع، مکتبہ دار العلم بیروت

علی بن محمد بن علی الزین الشریف الجرجانی، التعریفات الجرجانی،

مام ابی بکر احمد بن الحسین البیہقیؒ، شعب الایمان،

مترجم ابو عبد اللہ، الفتاوی الھندیۃ، کتاب الطھارۃ، باب الرابع فی التیمم، الفصل الأول،

محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین، رد المختار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال،

محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ البخاری، الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہﷺ، صحیح بخاری، مکتبہ دار طوق الجاۃ، کتاب الرقاق، باب

محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی، مشکاۃ المصابیح، مکتبہ محمدیہ،

محمد بن حسن شیبانی، المبسوط

محمد بن علی بن محمد الشوکانی، مترجم پروفیسر رفیع اللہ شہاب، نیل الاوطار

محمد بن علی بن محمد الشوکانی، فتح القدیر، دار الکلم دمشق، ۱۴۱۴ھ،

محمد بن عیسی الترمذی، سنن ترمذی، مکتبہ دار الفکر بیروت

محمد بن یزید ابن ماجہ، مترجم، عطاء اللہ محمد ساجد ابن ماجۃ الطھارۃ، باب الحیاض، ۱۵۲ الضیعفۃ: ۲۶۴۴

محمد ناصر الدین البانی، صحیح الجامع الصغیر، المکتبہ الإسلامی للطباعۃ والنشر: ۱۸۸۵

محی السنہ ابو محمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی، شرح السنۃ:
مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، مکتبہ البشری کراچی:۱۱۱۵
مسند امام احمد بن حنبل، امام احمد بن حنبل، مکتبہ الاسلام، بیروت،۱۳۹۸ھ
مفتی ارشاد احمد اعجاز، الفقہ الاسلامی وادلتہ
منصور بن یونس بن إدریس البہوتی، کشاف القناع عن متن الإقناع، مکتبہ الوقفیہ ۱۹۸۳
مولانا افتخار احمد قاسمی، اصلاحات اصولہ فقہ، مکتبہ جامعہ اسلامیہ کراچی
مولانا سید عبد المصور اسماعیل زئی، تلخیص الانوار
مولانا عبد الحق حقانی، حجۃ البالغۃ،
مولانا وحید الدین قاسمی کیرانوی، القاموس الوحید، ادارہ اسلامیہ کراچی،
مولانا سید عبد المصور اسماعیل زئی، تلخیص الانوار، مکتبہ عمر فاروق
مولوی فیروز الدینؒ، فیروز اللغات اردو، فیروز سنز لاہور،
نور الدین بن مختار، الاجتہاد المقاصد، مکتبہ النور،
وزارت اوقاف واسلامی امور کویت، موسوعۃ الفقیہ